انتخابِ کلام

آسی غازی پوری

مرتبہ

ڈاکٹر طیب ابدالی

اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ

سلسلۂ مطبوعات: ۲۶۱۲۶

انتخابِ کلام

آسی غازی پوری

مرتبہ

ڈاکٹر طیّب ابدالی

اترپردیش اردو اکادمی لکھنؤ

انتخابِ کلام آسی غازی پوری

مرتبہ

ڈاکٹر طیب ابدالی

پہلا ایڈیشن : ۱۹۸۳ء

تعداد اشاعت : ۵۰۰

قیمت ۴/- روپے

ستیش چندر سریواستو، سکریٹری اتر پردیش اردو اکادمی نے نامی پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر اردو اکادمی قیصر باغ لکھنؤ سے شائع کیا

پیش لفظ

دنیائے عقیدت وارادت میں خانقاہوں سے توسل حاصل کرنے والوں کی کمی کبھی نہیں رہی۔ ان خانقاہوں میں جون پور کی "خانقاہِ رشیدیہ" کو مرجعِ کرام وثقات کا درجہ حاصل تھا۔ حضرت آسی غازی پوری اسی خانقاہ کے سجادہ نشین تھے۔ اتر پردیش کے مشرقی اضلاع اور بہار میں بطورِ خاص ان کے عقیدت مندوں کی تعداد قابلِ لحاظ تھی۔

حضرت آسی کا شمار ان صوفیوں اور خانقاہ نشینوں میں ہوتا ہے جنھوں نے اردو شعر وادب کی گراں قدر خدمات انجام دیں۔ ہر چند شاعری میں ان کا سلسلہ ناسخ سے ملتا ہے لیکن انھوں نے ہمیشہ شاعری کے منصب ومقصد کو پیشِ نظر رکھا اور شعر کو لفظی بازی گری کا نمونہ نہیں بننے دیا۔ تصوف نے ان کے رنگِ تغزل کو پاکیزگی اور ہر دل عزیزی عطا کی۔ متصوفانہ غزل کی تاریخ میں حضرت آسی کی خدمات کو ہمیشہ نمایاں جگہ ملے گی۔

اکادمی ڈاکٹر طیب ابدالی کا شکریہ ادا کرتی ہے کہ انھوں نے حضرت آسی کے کلام کا بالاستیعاب مطالعہ کیا، اس کا ایک جامع انتخاب مرتب کیا اور اس پر

عالمانہ مقدمہ لکھا۔

امید ہے کہ اکادمی کی دوسری مطبوعات کی طرح اسے بھی حسنِ قبول حاصل ہوگا۔

محمود الٰہی
چیرمین
مجلس انتظامیہ

اتر پردیش اردو اکادمی
قیصر باغ لکھنؤ
۱۵ر فروری ۱۹۸۲ء

مقدمہ

حضرت آسی غازی پوری کا خاندان اپنی علمی اور رُوحانی عظمتوں کی وجہ سے شہرت و مقبولیت کا حامل رہا ہے۔ آپ کے والد ماجد قطب العارفین حضرت شیخ قنبر حسین رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے بزرگ کامل تھے۔ آپ کا پدری نسب نامہ خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہے۔ آپ کی نویں پشت میں حضرت شیخ مبارک قدس سرہٗ جن کی ولادت باسعادت سنہ ۹۳۴ھ ہے، اپنے عہد کے مرشدِ کامل تھے۔ بسنہ ۹۶۶ھ میں قصبۂ سکندرپور ضلع بلیا میں رشد و ہدایت کا سلسلہ قائم کیا اور سنہ ۱۰۱۶ھ میں وصال فرمایا۔ آپ کی والدہ ماجدہ عمدہ بی بی مفتی احسان علی صاحب قاضی پورہ آرہ کی صاحب زادی تھیں، اور مفتی صاحب موصوف حضرت شاہ غلام حیدر بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ کے اجل خلفاء میں شمار کیے جاتے ہیں۔ مفتی احسان علی خلیفۃ المسلمین حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں سے تھے۔ اس طرح پر آپ پدری و مادری اعتبار سے فاروقی اور صدیقی ہیں۔ آپ کا اسم شریف محمد عبدالعلیم اور تاریخی نام ظہور الحق ہے۔ آپ کی ولادت باسعادت ۱۹ شعبان المعظم ۱۲۵۰ھ

سنہ ۱۲۵۰ھ میں موضع سکندرپور ضلع بلیا میں ہوئی۔ آپ اپنے والدین کے اکلوتے چشم و چراغ تھے۔ آپ ابھی دس ماہ کے بھی نہ ہوئے تھے کہ ماں داغِ مفارقت دے گئیں۔ نانی نے اس دُرِ بے بہا کو اپنے سایۂ عاطفت میں پناہ دی اور پرورش و پرداخت کے لیے اپنے ہمراہ آرہ لے آئیں جہاں وہ گیارہ برس تک زیر تعلیم و تربیت رہے۔ فارسی و عربی کی کتابیں آپ نے اپنے نانا حضرت مفتی احسان علی رحہ سے پڑھیں۔ بارہ برس کی عمر میں سکندرپور آئے وہاں وہ خانقاہِ رشیدیہ کے سجادہ نشین حضرت قطب الہند غلام معین الدین قدس سرہٗ سے مرید ہوئے جو آپ کو اپنے ساتھ تحصیل علوم کے لیے جون پور لیتے گئے۔ پہلے انھوں نے خود حضرت آسی کی تعلیم ظاہری و باطنی کی۔ لیکن جب سخاوت علی جونپوری کی تحریک سے جونپور میں ایک دینی مدرسہ کھلا اور اس میں مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی بغرض درس و تدریس بلائے گئے تو حضرت آسی کو مولانا موصوف سے پڑھنے کا شوق ہوا اور وہ آپ کے حلقۂ تلمذ میں شامل ہو گئے، تمام درسی کتابیں مولانا ہی سے پڑھیں۔ جب مولانا لکھنؤ واپس چلے گئے تو مفتی محمد یوسف صاحب ان کی جگہ تشریف لائے۔ حضرت آسی نے آپ سے بھی اکتسابِ فیض کیا۔ پھر اسی مدرسہ میں حکیم سید جعفر حسین کاشف لکھنوی طب پڑھانے کے لیے آئے۔ آپ سے ان کے ایسے تعلقات ہو گئے کہ جب وہ لکھنؤ گئے تو انھوں نے اپنے شاگردوں کو طب پڑھانے کا کام حضرت آسی کے سپرد

کردیا۔

حضرت آسیؔ کی شادی غازی پور کے محلہ نورالدین پورہ میں منشی راحت علی صاحب کی بڑی صاحبزادی علیمن بی بی سے ہوئی جن سے تین صاحبزادیاں پیدا ہوئیں۔ کمسنی ہی میں دو صاحبزادیاں داغِ مفارقت دے گئیں، البتہ بڑی صاحبزادی جن کا اسم مبارک جنت بی بی تھا، ان کی شادی غازی پور کے محلہ شجاول پور میں مولوی عبدالرشید صاحب سے ہوئی جن سے ایک صاحبزادی عزت بی بی ہوئیں اور آپ کی نواسی عزت بی بی بھی کم سنی ہی میں بیوہ ہوگئیں اور لاولد انتقال فرمایا۔ گو حضرت آسیؔ اولاد ظاہری سے تو محروم رہے لیکن اولاد باطنی سے زندۂ جاوید ہیں۔

حضرت آسیؔ غازی پوری جون پور کی بافیض، ذی علم اور باعظمت خانقاہ کے سجادہ نشین تھے۔

حضرت دیوان محمد رشید جونپوری عہد عالمگیری کے نہ صرف بافیض و باکرامت بزرگ تھے بلکہ صاحبِ علم و فضل بھی۔ آپ کی تعلیم استاذ العلماء ملا محمد افضل جونپوری سے مکمل ہوئی۔ دلّی جاکر حضرت شیخ نور الحق ابن حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے احادیث کا سبق لیا اور ان کی اجازت حاصل کی۔ آپ کے شاگرد فتاویٰ عالمگیری میں پیش پیش رہے۔ خانقاہ رشیدیہ کی بنیاد آپ ہی نے رکھی۔ آپ کے جانشین صاحبِ علم و فضل رہے۔ آپ ہی کے سلسلے میں حضرت قطب الہند غلام

غلام معین الدینؒ سجادہ نشین تھے۔ حضرت آسیؔ کے پیر و مرشد نے آپ کو اپنی اولاد باطنی ہی نہیں قرار دیا بلکہ اپنا جانشین بھی بنایا۔ اس طرح آپ کا تعلق خانقاہ رشیدیہ سے استوار ہوا۔ آپ خانقاہ رشیدیہ کے سجادہ نشین رہے اور رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری و ساری رکھا۔ سلسلۂ رشیدی کے تمام اعراس کے فرائض پابندی سے انجام دیتے لیکن طبابت کا مشغلہ غازی پور میں جاری رکھا اور بہت ہی مشہور طبیبوں میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ آپ کے عہد میں غازی پور علم و فضل کا گہوارہ تھا اور اس میں نمایاں اضافہ اس لئے بھی ہوا کہ مدرسہ چشمۂ رحمت سے طالبانِ علم اکتسابِ فیض کر کے ملک کے مختلف گوشوں میں پھیل گئے اور مدرسہ بھی اپنے عہد کا بہت بڑا علمی و ادبی گہوارہ رہا۔ حضرت آسیؔ غازی کو طبع موزوں ملی تھی وہ پہلے عاصیؔ تخلص کر کے روایتی انداز میں غزلیں کہتے تھے پھر بعد میں آپ نے اپنا تخلص آسیؔ رکھا۔ شاعری میں حضرت شاہ غلام افضلؔ الہ آبادی کے شاگرد تھے اور حضرت افضلؔ ناسخؔ لکھنوی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ ناسخؔ کا مشہور شعر آپ ہی کے متعلق ہے ؎

ہر پھیر کے دائرہ ہی میں رکھتا ہوں میں قدم
آئی کہاں سے گردشِ پرکار پاؤں میں

یہی وہ دائرۂ شاہ اجمل ہے جہاں کے سجادہ نشین افضل الہ آبادی تھے تھے۔ حضرت افضلؔ کو ناسخؔ کے ساتھ کافی عرصہ تک رہنے کا موقع ملا۔ اس لیے ناسخؔ کی فیض صحبت سے آپ کو فنِ عروض اور معانی و بیان

پر کافی مہارت حاصل ہو گئی، وہ نہایت ہی ذہین اور زود گو شاعر تھے یہی وجہ تھی کہ وہ مشاعرہ کے لیے بہت پہلے سے غزل نہیں کہتے تھے بلکہ عین مشاعرہ میں فی البدیہہ کہتے تھے۔

آسیؔ اگرچہ دبستانِ ناسخؔ سے وابستہ تھے لیکن شاعری میں ان کے رنگ کی کورانہ تقلید انھوں نے نہیں کی۔ وہ خود کہتے ہیں، کہ ؎

اس قدر درد سے لبریز جو تقریر نہ ہو
سخن آسیؔ شیدا غزلِ میرؔ نہ ہو

آسیؔ کے کلام میں جذباتِ عشق کی پاکیزگی اور سوز و گداز کی جو طہارت ملتی ہے اس کا سبب یہ ہے کہ وہ عشقِ حقیقی میں فنا ہو کر مجسم سوز و گداز بن گئے تھے۔ آسیؔ کی شاعری میں تصوف کی چاشنی بھی ہے اور تغزل کا سوز و گداز بھی، ان دونوں نے مل کر ان کی غزلوں کو دو آتشہ بنا دیا ہے۔ انھیں دبستانِ ناسخؔ کا میرؔ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ اس لئے کہ میرؔ کا رنگ و آہنگ اور حافظؔ شیرازی کا صوفیانہ مذاق ان کا طرۂ امتیاز ہے۔ ان کی مشہور غزل کے دو شعر ملاحظہ کیجیے ؎

وصل ہے پر دل میں اب تک ذوقِ غم پیچیدہ ہے
بلبلا ہے عین دریا میں مگر نم دیدہ ہے

آنکھیں مجھ کو ڈھونڈتی ہیں دل ترا گردیدہ ہے
جلوہ تیرا دیدہ ہے صورت تری نادیدہ ہے

اور ذرا اس شعر کو تو داد دیجئے ؎

اتنے بتخانوں میں سجدے ایک کعبے کے عوض
کفر تو اسلام سے بڑھ کر ترا گردیدہ ہے

آسی کا کلام تصوف کے رموز و نکات سے مزین ہے ان کے اشعار میں جو والہانہ پن ہے وہ اردو کے صوفی شاعروں میں خال خال نظر آتا ہے۔ خواجہ درد، مرزا مظہر جان جاناں، آتش، غالب وغیرہم کے یہاں تصوف ایک حد تک روایتی نظر آتا ہے لیکن آسی کے یہاں بصیرت اور کیفیت کی ایسی ہم آہنگی ہے کہ قاری کیف آگیں ہو جاتا ہے، چند اشعار ملاحظہ کیجئے ؎

ہمت شیخ کی صیقل کی بدولت آسی
یہی دل آئینۂ روئے خدا ہوتا ہے

ہماری دید میں فہمید میں دے ایسی یکرنگی
کہ صورت عین معنی معنی عینِ صورت ہو

نہ ستاری کو شرم آئے نہ غفاری کو غیرت ہو
قیامت میں ترا بندہ ترے آگے فضیحت ہو

کوئی تو پی کے نکلے گا اڑے گی کچھ تو بو منہ سے
درِ پیرِ مغاں پر مئے پرستو چل کے بستر ہو

تصوف کے علاوہ آسی کی غزلوں میں تغزل کا وہ رنگ بھی ہے جو میر تقی میر کا طرۂ امتیاز تھا۔ میرے اس دعوے کی دلیل خود حضرت کے اشعار ہیں ؎

عاشق کی جاں کنی پر تنہا نہ یار رویا
جس سنگدل نے دیکھا بے اختیار رویا

ثابت جو ہو رہی تھی گلشن کی بے ثباتی
جوں جوں ہنسے گلِ تر میں زار زار رویا

آسی کی غزلیں مرصع ہیں اور ان کا ہر شعر منفرد رنگ و بو کا حامل، اس شعر کے تیور کو دیکھئے ؎

عشق میں اے کوہکن کیا زخم سر درکار تھا
دردِ دل درکار تھا دردِ جگر درکار تھا

جا کہاں اے دل کے ٹانکے اتنی بے رحمی کے ساتھ
دردِ دل تجھ کو بھی کچھ اے چارہ گر درکار تھا

آسی کے رنگ کو اس شعر میں بھی ملاحظہ کیجئے ؎

اتنا تو جانتے ہیں کہ عاشق فنا ہوا
اور اس سے آگے بڑھ کے خدا جانے کیا ہوا

آسی دبستانِ ناسخ سے وابستہ تھے اس لیے آپ کے یہاں
اس کا بھی رنگ و آہنگ کہیں کہیں ملتا ہے۔ لیکن اس میں بھی ،
انفرادیت ہے تین شعر ملاحظہ ہوں ؎

نعیم کیسی جحیم کیسی کرشمے سارے یہ حسن کے ہیں
کسی کو لوٹا ثواب ہو کر کسی کو مارا عذاب ہو کر

خبر جو محشر میں بھیڑ کی ہے وہ حسرتوں کا ہجوم ہوگا
وہ داغ ہوگا کسی کے دل کا جو چمکیگا آفتاب ہو کر

وہ پانی ہے کہ موتی بن کے پہنچا ان کے کانوں تک
نہ کیونکر رشک ہوائے رشکِ بے تاثیر پانی کا

مختصر یہ کہ حضرت آسی غازیپوری جیسا صاحب کمال شاعر
ابھی تک پردۂ گمنامی میں ہے اور تاریخ ادب اردو اور تذکروں
میں ان کا ذکر غیر ارادی طور پر کہیں کہیں آگیا ہے حالانکہ ان
کا مجموعۂ کلام تین مرتبہ زیور طبع سے آراستہ ہوا ہے ۔ اس
کے ماسوا ان کے شاگردوں میں بھی صاحب کمال شاعر گزرے
ہیں جیسے مولوی عبدالاحد شمشاد لکھنوی، حکیم فرید الدین احمد
فرید حکیم سید محمد شاد غازیپوری، مولانا محمد امین سکندر پوری
اور لبیب سکندر پوری مشہور رہیں۔ جن میں حضرت شمشاد لکھنوی کو
آپ کے شاگرد رشید ہونے کا شرف حاصل ہے اور شمشاد لکھنوی

ہی کے شاگردوں میں شوق نیموی عظیم آبادی ہیں جن کا ادبی معرکہ جلال لکھنوی سے مشہور و معروف ہے۔

حضرت آسی غازی پوری نے اپنی ساری زندگی غازی پور ہی میں گزاری اور علم و فضل، رشد و ہدایت، شعر و ادب کا یہ درخشندہ ستارہ ۲؍ جمادی الاول ۱۳۳۵ھ میں غروب ہو گیا۔ اور محلہ نورالدین پورہ غازی پور میں سپرد خاک ہوا۔ آپ کا آستانہ مرجع خلائق ہے جس سے فیوض و برکات جاری ہیں۔ آپ کے آستانے کی چوکھٹ پر یہ قطعۂ تاریخ کندہ ہے جسے آپ کے عزیز اور شاگرد حکیم فریدالدین احمد فرید نے موزوں کیا ہے۔ ملاحظہ ہو ؎

یہ جو باب ولا کی چوکھٹ ہے | آسی رہنما کی چوکھٹ ہے
مانگ لو جو مراد ہے دل کی | کنز حسن سخا کی چوکھٹ ہے

۱۳۳۵ھ

یہ بات میرے لیے باعث مسرت ہے اور باعث شکر بھی کہ حضرت آسی غازی پوری کا مجموعۂ کلام میں نے منتخب اور مرتب کیا ہے جو اتر پردیش اردو اکادمی کے زیر نگرانی زیور طبع سے آراستہ ہوگا اور منظر عام پر آکر اہل ذوق اور صاحب علم کے زیر مطالعہ رہے گا۔ میں اس سلسلہ میں مکرمی ڈاکٹر محمود الٰہی صاحب کا شکر گذار ہوں کہ انھوں نے سب سے پہلے مجھ سے یہ فرمائش کی تھی کہ میں مستند طور پر حضرت آسی غازی پوری کے تمام کلام کو جمع کروں اور تحقیق و تنقید کی روشنی میں اسے مرتب کروں۔ میں نے

حامی بھرلی تھی اور تمام مخطوطہ اور مطبوعہ نسخے کے مطالعہ میں مشغول تھا کہ یک بیک اتر پردیش اردو اکادمی کی جانب سے مجھے اس خدمت کو انجام دینے کا موقع دیا گیا۔ اور مجھے یہ ہدایت کی گئی کہ انتخاب کے سلسلہ میں یہ واضح کردوں کہ کس نسخہ سے یہ مجموعہ کلام مرتب کیا گیا ہے اور اس کی ترجیح کے اسباب کیا ہیں حقیقت یہ ہے کہ مجھے حضرت آسی غازی پوری کے مجموعہ کلام کے دو مخطوطات حضرت سید شاہ ہاشم علی سبز پوش جانشین حضرت آسی غازی پوری کے کتب خانے سے دستیاب ہوئے میں نے ایک قدیم مخطوطہ نسخہ کی روشنی میں حضرت کی غزلوں کا انتخاب کیا۔ اس کے علاوہ تین مطبوعہ نسخوں کے فرق کا بھی بالاستیعاب مطالعہ کیا۔ اکادمی کی جانب سے مجھے پابند کردیا گیا تھا کہ سو صفحات پر مشتمل یہ مجموعہ مرتب کروں۔ اس لیے مجھے غزلوں کے اشعار کے انتخاب میں دشواری لاحق ہوئی۔ آخر میں نے ہر غزل سے نو اشعار منتخب کیے اور بعض روایتی اور ابتدائی غزلوں کو نظر انداز بھی کردیا۔ انتخاب کے سلسلہ میں ہر ایک کا مذاق اور پسند جداگانہ ہوتی ہے میں نے حضرت آسی کے رنگ و آہنگ کو اپنے طور پر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

میں اتر پردیش اردو اکادمی کو مبارکباد کا مستحق سمجھتا ہوں کہ اس نے یہ مستحسن قدم اٹھایا ہے اور میرے دیرینہ خواب کی یہ تعبیر منظر عام پر آئی۔ میں مکرمی جناب سید شاہ ہاشم علی سبز پوش

اور ڈاکٹر سید شاہ واصل علی سبز پوش دارفانی، گورکھپور کا بھی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے ازراہ شفقت آسی غازی پوری کے کلام کے دونوں مخطوطات مرحمت فرمائے۔ آخر میں یہ اظہار کر دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ میرے شاگرد رشید عزیزی حفیظ الرحمٰن خاں سلمہٗ نے اس کی نقل و ترتیب میں دست تعاون بڑھایا اور اس کار خیر میں شریک ہوئے۔

محتاج دعا

طیب ابدالی
ریڈر شعبۂ اردو
مگدھ یونیورسٹی
بودھ گیا (گیا)

۸ر فروری ۱۹۸۳ء

ردیف الف

(۱)

تاب دیدار جو لائے مجھے وہ دل دینا
منہ قیامت میں دکھا سکنے کے قابل دینا

غیر ظاہر نہ مظاہر کی حقیقت سمجھوں
اتنی تمیز میانِ حق و باطل دینا

رشکِ خورشید جہاں تاب دیا دل مجھ کو
کوئی دلبر بھی اسی دل کے مقابل دینا

اصل فتنہ ہے قیامت میں بہارِ فردوس
جز ترے کچھ بھی نہ چاہے مجھے وہ دل دینا

تیرے دیوانے کو بے حال ہی رہنا اچھا
حال دینا ہو اگر رحم کے قابل دینا

ہائے رے ہائے تری عقدہ کشائی کے مزے
تو ہی کھولے جسے وہ عقدۂ مشکل دینا

سرِ دشمن سے کبھی گھبرا کے کتے دیکھی
شمع ساں مجھکو سرافرازیِ محفل دینا

نقد جان و دل ادھر دولتِ دیدار ادھر
ان کو لینا بہت آسان ہے مشکل دینا

آسیِ زار میں کچھ ضعف سے طاقت نہ رہی
درد دینا ہو تو برداشت کے قابل دینا

(۲)

انہی کے جلوے تھے لیکن وصالِ یار نہ تھا
میں اس کے واسطے کس وقت بیقرار نہ تھا

کوئی جہان میں کیا اور طرحدار نہ تھا
تری طرح مجھے دل پر تو اختیار نہ تھا

خرامِ جلوہ کے نقشِ قدم تھے لالہ و گل
کچھ اور اس کے سوا موسمِ بہار نہ تھا

وہ کون نالۂ دل تھا قفس میں اے صیاد
کہ مثلِ تیرِ نظر آسماں شکار نہ تھا

غلط ہے حکمِ جہنم کسے ہوا ہوگا
کہ مجھ سے بڑھ کے تو کوئی گناہگار نہ تھا

وفورِ بیخودیِ بزمِ مے نہ پوچھ رات
کوئی بجز نگہِ یار ہوشیار نہ تھا

لحد کو کھول کے دیکھو تو اب کفن بھی نہیں
کوئی لباس نہ تھا جو کہ مستعار نہ تھا

تو محوِ گلبن و گلزار ہو گیا آسیؔ
تری نظر میں جمالِ خیالِ یار نہ تھا

(۳)

دوں پتا درد دل میں فانی کا　　بھیس سارا ہے یارِ جانی کا
کس سے کیا ہو سکا بڑھاپے میں　　کس کو ماتم نہیں جوانی کا
دردِ دل لطفِ زندگانی ہے　　غم سبب عیش جاودانی کا
نقشِ پا کو کوئی اٹھا نہ سکا　　دیکھنا زور ناتوانی کا
ابر وہ ہو جو دل میں رقت ہو　　دیکھ موتی ہے قطرۂ پانی کا
غیر کا اب گزر نہیں دل تک　　عشق عہدہ ہے پاسبانی کا
دہنِ تنگِ یار کا حلقہ　　دور ہے جام لن ترانی کا
نہ نمک عشق کا نہ زخمی دل　　کچھ نہ پایا مزا جوانی کا

ہم تو آسیؔ نہیں بلا لائیں
کیا ہے سامانِ میہمانی کا

(۴)

غمزے ہیں جس میں حسن کے عشق ہے اس نگار کا　　چوٹ ہے جس میں عشق کی حسن ہے میرے یار کا
جوشِ بہار و سوزِ عشق دونوں یہ ایک ہی تو ہیں　　رنگ ہے لالہ زار میں سینۂ داغدار کا
تجھ سے بھی کوئی ماہ رو پردے میں چھپ گیا مگر　　کچھ سبب ابر تر! گریۂ زار زار کا
زخمِ جگر سے خونچکاں گزرے ہیں تیرے خستہ جاں　　جادۂ منزلِ عدم تختہ ہے لالہ زار کا
خوش نگہوں کو بیش کر گردشِ آسیائے چرخ　　سرمہ بنا تی رہتی ہے دیدۂ اعتبار کا
ایک نظر میں جو کرے دونوں جہان کو خراب　　دل ہے نظارہ جو اسی آفتِ روزگار کا
محشر وعدہ آ ابھی بات ہے اس میں بھید کی　　خون تو اپنے سر نہ لے کشتۂ انتظار کا
جائے طوافِ حلقۂ دورِ شرابِ ناب ہو　　شیخ حرم مرید ہے آسیؔ بادہ خوار کا
آسیؔ نامراد پر ہے وہی جلوہ جس سے ہے　　مطلعِ آفتاب حشر ذرہ مرے غبار کا

(۵)

عاشق کی جاں گئی پر تنہا نہ یار رو دیا | جس سنگدل نے دیکھا بے اختیار رو دیا
ہمدرد کی مصیبت دیتی ہے کیا اذیت | بلبل نے نالے کھینچے میں زار زار رو دیا
رقت سے وقت رخصت تھا دیکھنا بھی مشکل | جب نگہ ادھر اٹھائی بے اختیار رو دیا
ان کی گلی میں جا کر سوتے آنسوؤں کے پھوٹے | یہ پھوٹ پھوٹ کر میں زیرِ مزار رو دیا
برباد کر دیا جب قسمت نے گلستاں سے | ابرِ بہار بن کر میرا غبار رو دیا
ثابت جو ہو رہی تھی گلشن کی بے ثباتی | جوں جوں ہنسے گل تر میں زار زار رو دیا

اظہارِ سوزِ دل کو آسیؔ نے شمع آسا
جوں ہی زبان کھولی بے اختیار رو دیا

(۶)

سر کٹانے کے لئے دل دہیں بے تاب ہوا | مثلِ ابرو کوئی خنجر جو سینہ تاب ہوا
رتبہ پایا ہے محبت میں تو اب دل کو سنبھال | گر پڑے گا صفت برق جو بے تاب ہوا
خاکساری سببِ آبروئے سالک ہے | جو ملا خاک میں آنسو دُرِ نایاب ہوا
قابلِ سجدہ ہوا جھک کے ملا جو کوئی | قدِ خم گشتہ میں پیدا خمِ محراب ہوا
ظرف اگر پائے تو نعمت سے کبھی سیر نہ ہو | پُر نہ دریا سے کبھی کاسۂ گرداب ہوا
جس نے دیکھا تجھے کیا خاک لگے آنکھ اسکی | دیدۂ رخنۂ دیوار بھی بے خواب ہوا
خوب یک رنگیِ الفت کے تماشے دیکھے | روزِ پروانہ بلکیں شبِ سرخاب ہوا
بس بھی کرائے مرے طوفانِ سرشک اب بس کر | روزنِ قصرِ صنم دیدۂ پُر آب ہوا

شہرۂ نور سے لبریز پڑھے آسیؔ نے
حلقۂ اہلِ سخن ہالۂ مہتاب ہوا

(۷)

عشق میں اے کوہکن کیا زخمِ سر در کار تھا
زخمِ دل در کار تھا زخمِ جگر در کار تھا

سوزِ دل کو دستِ ماتم پنجۂ خور کس لیے
ہاں شبِ غم چاکِ دامانِ سحر در کار تھا

پاکبازی اپنی پیغامِ طلب تھی عشق میں
دھو کے داغِ تہمتِ ہستی سفر در کار تھا

قرض کی کچھ گفتگو عاشق سے کرتے تھے رقیب
نالے تو کچھ کم نہ تھے شاید اثر در کار تھا

اہل تھے محرومیٔ دیدار کے تم اے کلیم
میں ازل کا بے جگر مجھ کو جگر در کار تھا

کیا شرابِ حسنِ ساقی جانفزا اٹھتی واہ وا
میگسار ساغرِ ذوقِ نظر در کار تھا

چاک کھائے دل کے ٹانکے اتنی بیرحمی کے ساتھ
دردِ دل تجھکو بھی کچھ اے چارہ گر در کار تھا

داغ اپنا دے کے آسی نے جو لی راہِ عدم
پسرِ دونم کو چراغِ رہگزر در کار تھا

لذتِ آزار آسی کے سمجھنے کے لیے
دردِ دل تجھکو بھی کچھ اے چارہ گر در کار تھا

(۸)

جب دلِ عاشق کو یارائے شکیبائی نہ تھا
حشر کا وعدہ کبھی طورِ دل آرائی نہ تھا

حسن پھر کس کام کا جب چاہنے والا نہ ہو
سچ ہے تجھ سے دلربا کو لطفِ تنہائی نہ تھا

آگیا بارے خیالِ وعدۂ فردائے حشر
اے لحد کوئی انیسِ کنجِ تنہائی نہ تھا

صورتِ خورشید ناجنسوں سے نفرت ہی رہی
گو مجھے کچھ ذوقِ دورِ جامِ تنہائی نہ تھا

ایک ہی جلوے میں اس کے ہوگیا جل بھن خاک
عاشقِ جاں سوز تھا میں کچھ تماشائی نہ تھا

وہ ہجومِ اشتیاق و حسرت و غم ہائے ہائے
ان سے ملنے کے لیے امکانِ تنہائی نہ تھا

آگیا اے گریۂ غم اس اندھیرے رات میں
اے جزاک اللہ کوئی غمخوارِ تنہائی نہ تھا

دل میں تو ہر وقت حاصل تھا مجھے اسکا طواف
کعبے پھر کیا کرنے جاتا یار ہرجائی نہ تھا

رو کے آسی پوچھتا تھا کب قیامت آئیگی
کس طرح کہیے کہ وہ تیرا تمنائی نہ تھا

(۹)

قید تھی کوئی نہ ذکر قیدی در زنجیر تھا　دل مرا اس وقت اسیر گیسوئے بے پیر تھا

عشق میں کہتے ہیں کامل آسی دلگیر تھا　آہ جس کی بے اثر تھی نالہ بے تاثیر تھا

جس طرف سے ہو کے گزرا چھید ڈالے دل جگر　نالۂ غم تھا کہ مژگانِ صنم کا تیر تھا

تو نے گھونگھٹ کیا اٹھایا لگ گئی عالم میں آگ　جلوہ یا کوئی شرارِ آہِ پُر تاثیر تھا

یار تک پہونچا تو میں لیکن فنا ہونے کے بعد　جادۂ راہِ طلب تھا یا دمِ شمشیر تھا

ظاہر و مظہر اگر باہم نہیں تھے حسن و عشق　بلبلیں رنگیں نوا کیوں غنچہ کیوں دلگیر تھا

کس طرح سمجھوں کہ عشقِ غیر کا تھا اعتبار　کب وہ میری طرح محفل میں بے توقیر تھا

حق ہو یا ناحق کہا تم نے ہوا بدنام میں　اب تو ثابت ہو گیا منصور بے تقصیر تھا

پائے بوسِ آسی دیوانہ کا اللہ رے شوق
حلقۂ چشم تصور حلقۂ زنجیر تھا

(۱۰)

سجدۂ در جو تمہارا نہ میسر ہوتا　وہی ہم ہوتے وہی سر وہی پتھر ہوتا

ہجر کی رات بھی پہلو کو نہ خالی پایا　غم تمہارا دلِ عاشق میں کیونکر ہوتا

اور کر دیتی ہیں بسمل نگہ لطف اسی کی　رحم آتا ہی کسی دن جو ستمگر ہوتا

خیر آ جاتی قیامت تو قیامت ہی سہی　دیکھ لینا تو کسی طرح میسر ہوتا

دل میں وہ آئے مگر ناز نہ کر اس دل پر　یعنی آتے وہ عدو کا نہ اگر گھر ہوتا

تم لپٹ جاتے اگر آکے مرے پہلو سے　نالہ شرمندہ نہ سینے سے نکل کر ہوتا

عرش پر کہئے تو اثبات مکاں ہوتا ہے　کیا فلک بھی مرے سینے کے برابر ہوتا

چاہتا تھا کسی خوش چشم کو اے حسرتِ زخم　موئے مژگاں رگِ جاں کیلئے نشتر ہوتا

مر گیا آسی دلگیر بھی انا للہ
مرضِ عشق سے کوئی کبھی تو جانبر ہوتا

(۱۱)

ہم تو ڈرتے تھے کدھر حکمِ قضا نے بھیجا
بارے اے بت ترے کوچے میں خدا نے بھیجا

تیرے کوچے میں جسے ہو ہوسِ حور و قصور
کس جہنم میں اسے حرص و ہوا نے بھیجا

شام سے تا بہ سحر دیکھیے دھنی اس در پہ
مژدۂ حسنِ قبول اپنی دعا نے بھیجا

موقعِ کسبِ کمالات وہاں کس کو ملا
وہی اچھے جنہیں دنیا میں خدا نے بھیجا

خرقۂ فقر کے رتبے عرفا سے پوچھو
یہ وہ جامہ ہے جسے آلِ عبا نے بھیجا

عاقبت میں وہ نہیں جن کے فلک پر ہیں دماغ
خاک میں ملنے کو دنیا میں خدا نے بھیجا

آسی نامہ سیہ لائقِ دوزخ کبھی نہ تھا
خلد میں الفتِ شاہِ شہدا نے بھیجا

(۱۲)

غبار ہو کے بھی آسی پھرے گے آوارا
جنونِ عشق سے ممکن نہیں ہے چھٹکارا

وہ جلوہ شعلہ تو میں کاہِ ناتواں اے قیس
نہ تجھے فراق نے مجھکو وصال نے مارا

ہزار گرم ہو خورشیدِ روزِ حشر تو کیا
سما گیا ہو مگر دل میں کوئی مہ پارا

جفا نہ کم ہوا ادھر سے نہ آپ سیر ہو دل
برائے مشربِ غم یہ مذاق ناکارا

نہ پوچھو حالتِ دل اس غریقِ رحمت کی
دکھائی دے جسے ایک ایک قطرے میں دھارا

نہ مستعدِ فنا ہو تو ذوقِ عشق غلط
کہ بہرِ جرمِ محبت ہے قتل کفارا

تمہاری دید قیامت نہیں تو پھر کیا ہے
کہ مجھکو نورِ خدا کا ہے آج نظارا

نہ آپ کم ہو تپِ دل نہ تم علاج کرو
تڑپ تڑپ کے مرا اب مریض بیچارا

اگر بیانِ حقیقت نہ ہو مجاز کے ساتھ
تو شعر لغو ہے آسی کلام ناکارا

(۱۳)

پسند آیا تو لے لو دل ہمارا — مگر دل پھر بھی کس قابل ہمارا

چھری بھی تیز ظالم نے نہ کر لی — بڑا بے رحم ہے قاتل ہمارا

نہ آنا ہم تمہارا دیکھ لیں گے — جو نکلا جذبِ دل کامل ہمارا

کبھی ڈھونڈھا بھی تو نے نجد اے قیس — دلِ ہر ذرّہ ہے محمل ہمارا

تامل ہے جو پاس آنے میں ان کو — وہاں جانا بھی لاحاصل ہمارا

چلا سفاک یہ دل میں نہ آئی — تڑپتا ہے ابھی بسمل ہمارا

دمِ نزع آنے کا وعدہ تو دیکھو — کہ اب مرنا بھی ہو مشکل ہمارا

انھیں کی چھیڑ تھی اس رنگ میں بھی — خیالِ غیر تھا باطل ہمارا

وہ کاش اتنا قیامت میں تو پوچھیں
کہاں ہے آسیؔ بے دل ہمارا

(۱۴)

تو رات جہاں جلوۂ کاشانۂ دل تھا — آج اسکو جو دیکھا تو وہ دیوانۂ دل تھا

نقشِ دو جہاں گردشِ پیمانۂ دل تھا — کُن روزِ ازل نعرۂ مستانۂ دل تھا

اے پیرِ مغاں خون کی بو ساغرِ مے میں — توڑا جسے ساقی نے وہ پیمانۂ دل تھا

ذوقِ غمِ اندوہِ محبت کے میں صدقے — جو داغ دیا تم نے وہ جانانۂ دل تھا

خوشبو وہی رنگت وہی مستی بھی اسی کی — کعبے میں بھی دورِ مئے میخانۂ دل تھا

اسرار ترے معدنِ انوار تھے جس میں — مسجد تھی نہ کعبہ وہ نہاں خانۂ دل تھا

ہر موجِ نفس سینے میں اک قلزمِ خوں ہے — کیا میرے تصور میں کچھ افسانۂ دل تھا

خورشید قیامت جسے کہتی تھی خلائق — وہ ذرّۂ خاکستر پیمانۂ دل تھا

آسیؔ نے بجز تیرے جہاں کچھ نہیں دیکھا
وہ عالمِ ہُو گوشۂ ویرانۂ دل تھا

(۱۵)

جو پتھر آ کے سر میں لگا لالہ گوں ہوا
ہر داغ گلفروشِ بہارِ جنوں ہوا

توبہ سے بڑھ کے ذوقِ لبِ بادہ گوں ہوا
مینائے مے مرے لئے مینائے خوں ہوا

ناوک فگن کی چشم توجہ کہاں نصیب
سینے میں دل بھی حسرتِ صیدِ زبوں ہوا

بے شبہہ پائے بوس ترا فرضِ عین ہے
چرخِ بریں اسی کے لیے سرنگوں ہوا

ممنونِ خاکِ سجدہ ہوں اے وعدہ گاہِ دید
داغِ جبیں خضر کی طرح رہ نموں ہوا

لاکھوں ہی آرزوئیں تھیں جو ذبح ہو گئیں
صبحِ شبِ وصال پرا کشت و خوں ہوا

میں اور وصفِ چشمِ سخن گو نہ کر سکوں
اللہ! معجزہ بھی ہلاکِ فسوں ہوا

یوں دل سے گھر کو چھوڑے ہوئے بھاگے جاتے ہو
کیا ظلم تم پہ اے مرے صبر و سکوں ہوا

ذلت اگر دلیلِ کمالاتِ عشق ہے
آسی سے بڑھ کے کون ذلیل و زبوں ہوا

(۱۶)

غیر موسیٰ کون ہمدم وادیِ ایمن میں تھا
چور وہ بھی نشۂ صہبائے مردافگن میں تھا

جو نہ اٹھے آسمانوں سے اٹھا لیں ہم وہ بوجھ
کیا وہ قوت سر میں تھی کیا زور وہ گردن میں تھا

کون ہو منت کشِ تدبیر اے وقتِ شعور
کیا نہیں اب وہ جو ضامن رزق کا بچپن میں تھا

اس تمنا میں کہ شاید ان کے دل تک راہ ہو
اس عداوت پر بھی میں برسوں دلِ دشمن میں تھا

قابلِ نذرِ تجلی جان و دل سب تھے یہاں
ہوشِ موسیٰ کے سوا کیا وادیِ ایمن میں تھا

خونِ ناحق گردنوں پر کیوں لیا منصور کا
مدعی قولِ انا الحق کا رگِ گردن میں تھا

وہ بھی نذرِ سینۂ غمناکِ بلبل کر دیے
چند چاکوں کے سوا کیا پھولوں کے دامن میں تھا

کس کے پیکانِ دل افزا کا پیا تھا آبِ زخم
جوشِ آبِ زندگانی چشمۂ سوزن میں تھا

سچ جو یہ شہرت نہ تھی آسی کہ مرنا ہے وصال
کیوں قرار آیا تجھے مدفن میں کیا مدفن میں تھا

(۱۷)

بڑھ کے شہ رگ سے گلے ملنے کو وہ آمادہ تھا
ہائے اے وہمِ غلط اشک میں وہ دور افتادہ تھا

وہ دلِ سوزاں کے ٹکڑے آنسوؤں میں ہائے ہائے
صاف پلکوں پر گمانِ کاہِ آتش دادہ تھا

حالِ دل کیا اس سے کہنا دل ہی میں جبکا ہو گھر
گو نہ سودائی ہو عاشق پھر بھی کتنا سادہ تھا

توڑنا مینائے مے کا دل شکن کیونکر نہ ہو
محتسب کو کیا ہوا تھا میں تو مستِ بادہ تھا

دل کہاں تھا جذبِ دل پر میں جو کرتا اعتماد
میں تو اک دل سوختہ دل باختہ دل دادہ تھا

سجدۂ جوشِ ندامت بھی کرامت ہو گیا
موجِ آبِ گریۂ غم ردائے سجادہ تھا

کیا سمجھ کر ہاتھ دو اڑاتی تھی ہم مستوں کی خاک
دورِ دامانِ قبا تھا وہ کہ دورِ بادہ تھا

یہ کیا تھا حالِ گل اس گل کے سوزِ رشک نے
شبنمِ گلبن نہ تھی اشک بخاک افتادہ تھا

کوئی مصرع لا سکے مصرع پہ اس کے کیا مجال
سرو کے مانند آسی شاعرِ آزادہ تھا

(۱۸)

صبح تک آج دھواں کوچۂ بے پیر میں تھا
آگ کا جزو مگر نالۂ شبگیر میں تھا

حسرتِ عاشق و امیدِ عدو بسمل ہو ل
کاٹ اتنا کبھی نہ ان کے دمِ شمشیر میں تھا

غش میں اس طرح گریں حضرتِ موسیٰ سے نبی
جلوۂ طور ضرور آپ کی تصویر میں تھا

نالۂ عرش فگن کا بھی مزا اب تک چکھے
کر چکا بس جو مزاجِ فلکِ پیر میں تھا

اے لحد ہائے وہ بیتابیٔ شبہائے فراق
آج آرام سے سونا مری تقدیر میں تھا

بجن مومن کے یہ معنی تھے کہ تا قیدِ حیات
پاؤں زنجیر میں دل زلفِ گرہ گیر میں تھا

لالہ زارِ دلِ خوں گشتہ میرے عہد میں ہے
نجد کا بن جو کبھی قیس کی جاگیر میں تھا

قید میں جب نہ ہوئی دید تو ہو وعدہ خلاف
شور ہنگامۂ محشر مری زنجیر میں تھا

تا دمِ مرگ نہ آسی کو میسر ہو وصال
کیا یہی طالعِ بدبخت جواں میر میں تھا

(۱۹)

اتنا تو جانتے ہیں کہ عاشق فنا ہوا — اور اس سے آگے بڑھ کے خدا جانے کیا ہوا

شانِ کرم تھی یہ بھی اگر وہ جدا ہوا — کیا محنتِ طلب میں نہ حاصل مزا ہوا

میں اور کوئے عشق مرے اور یہ نصیب — ذوقِ فنا خضر کی طرح رہ نما ہوا

پہچانتا وہ اب نہیں دشمن کو دوست سے — کس قید سے اسیرِ محبت رہا ہوا

شایان درگذر ہے اگر اضطرار میں — جرمِ درازدستیٔ ذوقِ دعا ہوا

کیا کیا نہ اس نے پورے کئے مدعائے دل — لیکن پسند اسے دلِ بے مدعا ہوا

اس کا پتہ کسی سے نہ پوچھو بڑھے چلو — فتنہ کسی گلی میں تو ہوگا اٹھا ہوا

گردیوں کے خیال نے گلشن بنا دیا — سینہ کبھی مدینہ کبھی کربلا ہوا

پیچیدہ تھی جو سر میں ہوائے رضائے دوست

آسی مریدِ سلسلۂ مرتضیٰ ہوا

(۲۰)

کسی میں جو کوئی فنا ہوگیا — نہ کچھ پوچھو آسی وہ کیا ہوگیا

پلائی ہے ساقی نے کیسی شراب — کہ جو رند تھا پارسا ہوگیا

کسی کے نکالے نکلتا نہیں — عدو بھی مرا مدعا ہوگیا

دلِ پُرہوس مرغِ نکہت کی طرح — اسیرِ کمندِ ہوا ہوگیا

جب اس کوچے میں جا کے رہتا تھا میں — جو چاہا کیا، جو کہا ہوگیا

اڑایا ہے کس گل سے رنگِ چمن — کہ ہر نخل گلگوں قبا ہوگیا

انا الحق بھلا قولِ منصور تھا — بتاؤ تو بندہ خدا ہوگیا

دل اس کوچۂ زلف میں کیا پھنسا

کہ آسی اسیرِ بلا ہوگیا

(۲۱)

پوچھتے ہو کہ سرِّ وحدت کیا | ماسوا کی بھلا حقیقت کیا
بس تمہاری طرف سے جو کچھ ہو | میری سعی اور میری ہمت کیا
نہ گرے اس نگاہ سے کوئی | اور افتاد کیا مصیبت کیا
نقدِ ہستی نثارِ یار کرے | یہ نہیں ہے تو پھر محبت کیا
اس سے مل جو ہمیشہ ساتھ رہے | بے وفاؤں سے لطفِ صحبت کیا
باغِ رضواں بھی باغ ہے آخر | سیرِ گل کے لیے ریاضت کیا
ملنے والوں سے راہ پیدا کر | اس کے ملنے کی اور صورت کیا
گوشہ گیری حدیثِ نفس کے ساتھ | دل ہی مجمع میں ہے تو عزلت کیا

آسیؔ مست کا کلام سنو
وعظ کیا پند کیا نصیحت کیا

(۲۲)

میں جو الزامِ محبت میں گرفتار ہوا | قیدیِ سلسلۂ حیدرِ کرار ہوا
سوئے جنت نہ مجھے اس کوچے سے کیوں لیجاتے | جان دی آپ پرا ے جان گنہگار ہوا
آپ بھیجا نہ مجھے اور آپ بلایا اس نے | بارِ احساں سے کسی کے نہ گرانبار ہوا
جز فنا راہِ رہائی نہ اسے ہاتھ آئی | جو ترے دامِ محبت میں گرفتار ہوا
میں نہ کیوں محشرِ دیدار کو مقتل سمجھوں | کشتۂ تیغِ ادائے نگہِ یار ہوا
ہمت اس کی ہے دل اس کا ہے جگر اس کا ہے | جان کو بیچ کے تیرا جو خریدار ہوا

بک گئے روزِ ازل پیرِ خرابات کے ہاتھ
ہم ہوئے تم ہوئے یا آسیؔ میخوار ہوا

(۲۳)

بدرقہ راہِ طلب میں نہیں ہمت کے سوا
راہبر کوئی نہیں جوشِ محبت کے سوا

اور کیا چاہتی ہے آرزوئے دل ان سے
کچھ نہیں حسن کی سرکار میں حسرت کے سوا

نظر و ناظر و منظور نہ جب ایک ہوئے
کیا ملا روزِ قیامت میں ندامت کے سوا

کچھ خبر کوچۂ جاناں کی بھی ہے اے واعظ
عشق بازوں کی ہے جنت تری جنت کے سوا

تابعِ خواہشِ محبوب ہو خواہش جس کی
رنج پاس اسکے نہ آئے کبھی راحت کے سوا

حسن صورت کے لئے خوبیِ سیرت ہے ضرور
گل وہی جس میں کہ خوشبو بھی ہو رنگت کے سوا

پوچھتے ہو شہِ جیلاں کے فضائل آسی
ہر فضیلت کے وہ جامع ہیں نبوت کے سوا

(۲۴)

عشق بازو جو شہِ ہر دوسرا تک پہنچا
وہ خدا تک وہ خدا تک وہ خدا تک پہنچا

کیوں نہ قسمت نے بنایا مجھے اس راہ کی خاک
ہائے جسکا کہ غبار اس کفِ پا تک پہنچا

اس جگر چاک پہ آتا ہے غضب رشک مجھے
کنگھی کی طرح جو اس زلف رسا تک پہنچا

دفن اس نخل کے سائے میں ہو تسانہ جسکا
شہِ لولاک کے گیسوئے دوتا تک پہنچا

کس طرح میری مصیبت میں نہ پہنچے دم میں
جو پلک مارنے میں عرشِ خدا تک پہنچا

میرے دل پر ہے محمد کی نگاہِ پُر فیض
نورِ خورشید جہاں تابِ ہما تک پہنچا

کیا ہی لپٹا قدمِ پاک نبی سے آسی
ناتواں کاہ سے تھا کاہ ربا تک پہنچا

(۲۵)

گلوئے خشک خواہاں ہے دمِ تکبیر پانی کا ۔۔۔ ذبیحے سے نہ کر بخل اے دمِ شمشیر پانی کا

مری کشتِ امل پر ابرِ رحمت بھی اگر برسے ۔۔۔ تو بجلی سے اثر بدلے مری تقدیر پانی کا

خدنگِ آہ جب نکلا کلیجا ہو گیا پانی ۔۔۔ کوئی تیرِ ہوائی ہے تو کوئی تیر پانی کا

مقدر میں ہو یوں سب کچھ مگر تدبیر لازم ہے ۔۔۔ کہ اک قطرہ نہیں ملتا ہے بے تدبیر پانی کا

کوئی سائل کو کیا پھیرے جو خود دن رات آیا ہے ۔۔۔ لگا یہ دل میں آ کر شعلۂ تقریر پانی کا

وہ پانی ہے کہ موتی بن کے پہنچا ان کے کانوں تک ۔۔۔ نہ کیونکر رشک ہو اے اشکِ بے تاثیر پانی کا

دمِ تحریر اشکوں نے لگائی کیوں جھڑی مینہ کی ۔۔۔ نہ تھا سائل ہمارا خامۂ تحریر پانی کا

جو شرحِ مصحفِ عارض لکھے گا عاشقِ گریاں ۔۔۔ بنے گا بلبلہ ہر نقطۂ تفسیر پانی کا

ہم اپنی تشنہ کامی کی شکایت کیا کریں آسیؔ
گیا شاکی گلوئے حضرتِ شبیر پانی کا

(۲۶)

کہا یہ دیکھ کر خالِ بتِ بے پیر کا دانا ۔۔۔ الٰہی اسکو تو کرنا مری تقدیر کا دانا

لبانِ آسیا پائے توکل کو نہ لغزش دے ۔۔۔ کہ منہ میں آ رہے گا خود بخود تقدیر کا دانا

ستارے کی چمک دیکھی نہ تھی موتی کے دانے میں ۔۔۔ درِ دنداں ترا ہے واہ کس تنویر کا دانا

مزا کیا جبکہ دانے کے لیے ہو آبرو ریزی ۔۔۔ ہمیشہ مجھکو دینا اے خدا توقیر کا دانا

حلاوت روح کو دل کو جگر کو جس سے ملتی ہے ۔۔۔ ترا خالِ لبِ شیریں ہے کس تاثیر کا دانا

کسی سے طالبِ دانا کس لئے شیخِ ریائی ہو ۔۔۔ اسے کافی ہے اپنی سبحۂ تزویر کا دانا

مرے آنسو جو پونچھے یار نے دھانی دوپٹے سے ۔۔۔ ہوا سرسبز آخر اشکِ بے تاثیر کا دانا

کبھی تدبیر سے غیر از مقدر مل نہیں سکتا ۔۔۔ جو ہے تقدیر کا دانا وہ ہے تدبیر کا دانا

لگایا منہ کہ چوموں خالِ لب پہلو سے اٹھ بھاگا
چھٹا منہ سے زبانِ آسیؔ دلگیر کا دانا

ردیف "ب"

(۲۷)

اہلِ ہمت کا کبھی بیجا نہ دیکھا اضطراب
عین ہستی ہے برائے موجِ دریا اضطراب

ناصح اندھا ہے جو سمجھا ہے ہمارا اضطراب
صورتِ امواج میں کرتا ہے دریا اضطراب

مر گئے پر جو فنا ہو جائے وہ کیا اضطراب
سیکھ جائے آپ کے کشتے سے پارا اضطراب

بعد مردن ہو تو ہو اے پند گو یہ تجربہ
عشق بازوں کا سکوں اچھا کہ اچھا اضطراب

حشر کا میدان اور اس میں دلِ دیدار جو
وہ سراسر فتنہ یارب یہ سراپا اضطراب

ایسی حالت یاالٰہی اور میں مرتا نہیں
جاں فزا ہے دردِ دل یا روح افزا اضطراب

سانس لینا مشکل اور اس پر تڑپنا لوٹنا
ہائے یہ بے طاقتی اور اس طرح کا اضطراب

جوشِ نازِ جلوہ برقِ خرمنِ صبر و قرار
ذرے کو ہوتا ہے پیشِ مہر کیا کیا اضطراب

کیا امید زندگی اب آسیِ بے تاب کی
جاں گسل آزارِ الفت روح فرسا اضطراب

ردیف "ت"

(۲۸)

رات ہے رات تو بس مردِ خوش اوقات کی رات
گریۂ شوق کی یا ذوقِ مناجات کی رات

رات دن ہوتی ہے اللہ رے تیری قدرت
عید کا روز ہے یاروں کی ملاقات کی رات

بُعد تھا قرب جدائی تھی اگر عینِ وصال
یاد ہے اے کششِ دل وہ کرامات کی رات

کچھ ہمیں سمجھیں گے یا روزِ قیامت والے
جس طرح کٹتی ہے امیدِ ملاقات کی رات

پھر نہ سجدے سے اٹھے کر کے شبِ وصل کی قدر
کہ شبِ قدر تھی طاعات و عبادات کی رات

صبح بھی ساتھ ہی اے مہرِ جہاں تاب آئی
تم جب آئے نہ رہی اور کسی بات کی رات

پھر وہی طرفِ چمن ہو وہی صحبت وہی دور
پھر وہی ہم ہوں وہی تم وہی برسات کی رات

رات ساتھ آئیگی آنے دو جو وہ دن کو کبھی آئیں
زلف کی زلف ہے وہ زلفِ یہ رات کی رات

اب تو پھولے نہ سمائیں گے کفن میں آسیؔ
ہے شبِ گور بھی اس گل کے ملاقات کی رات

ردیف "د"

(۲۹)

وہاں پہنچ کے یہ کہنا صبا سلام کے بعد
کہ تیرے نام کی رٹ ہے خدا کے نام کے بعد

شبِ وصل بیانِ غمِ جدائی کیا
فضول ہے گلۂ زخم التیام کے بعد

وہاں بھی وعدۂ دیدار اس طرح ٹالا
کہ خاص لوگ طلب ہونگے بارِ عام کے بعد

گناہگار کی سن لو تو صاف صاف ہے یہ
کہ لطفِ رحم و کرم کیا پھر انتقام کے بعد

طلب تمام ہو مطلوب کی اگر حد ہو
لگا ہوا ہے یہاں کوچ ہر مقام کے بعد

وہ خط وہ چہرہ وہ زلفِ سیاہ تو دیکھو
کہ شام صبح کے بعد آئی صبح شام کے بعد

پیامبر کو روانہ کیا تو رشک آیا
نہ ہمکلام ہو اس سے مرے کلام کے بعد

ابھی تو دیکھتے ہیں ظرف بادہ خواروں کا
سبو و خم کی کبھی ٹھہرے گی دورِ جام کے بعد

الٰہی آسیؔ بیتاب کس سے چھوٹا ہے
کہ خط میں روزِ قیامت لکھا ہے نام کے بعد

(۳۰)

کہاں گلشن کہاں روئے محمدؐ
کہاں سنبل کہاں موئے محمدؐ

ہے عالمِ آہن و آہن ربا کا — کھنچا جاتا ہے دل سوئے محمدؐ

نہ چھائی مشتِ خاک اپنی کسی سے — ہے دل ہی میں رہِ کوئے محمدؐ

ہے کیا رحم و کرم بندوں پران کا — خدا سے ملتی ہے خوئے محمدؐ

دلِ صد چاک میں مانندِ شانہ — رچی ہے بوئے گیسوئے محمدؐ

دمِ جاں بخشِ اعجازِ مسیحا — نسیمِ گلشنِ کوئے محمدؐ

حیاتِ جاوداں پاتا ہے آسی
قتیلِ تیغِ ابروئے محمدؐ

(۳۱)

دلِ شیدا ہے بیمارِ محمدؐ — اسیرِ زلفِ خمدارِ محمدؐ

جو داغِ دل ہے چشمِ آرزو ہے — غضب ہے شوقِ دیدارِ محمدؐ

اگر مردہ سنے زندہ ہو دم میں — دمِ عیسیٰ ہے گفتارِ محمدؐ

بچھا جاتا ہے دل قدموں کے نیچے — یہ ہے اندازِ رفتارِ محمدؐ

سدا جس کو بہارِ بے خزاں ہے — وہ ہیں گلہائے رخسارِ محمدؐ

دمِ نزع آئے جان آنکھوں میں جس دم — خدا دکھلائے دیدارِ محمدؐ

مدینہ ہو مرا مدفن الٰہی — بسوں میں زیرِ دیوارِ محمدؐ

محمدؐ ہیں خدا کے عاشقِ زار — خدا ہے عاشقِ زارِ محمدؐ

نہیں اپنے گناہوں کا مجھے غم
بس آسی ہوں گنہگارِ محمدؐ

(۳۲)

وہ کون حسرت تھی دل کے اندر کہ وقفِ صد پیچ و تاب ہو کر

جب آنکھوں تک جوش کھا کے آئی ٹپک پڑی خونِ ناب ہو کر

ہنوز پردے میں تم ہو لیکن ہزاروں فتنے اٹھا دیے ہیں
مگر قیامت کرو گے برپا جو نکلو گے بے حجاب ہو کر

شگوفہ تھا دل کی بے کلی کا لطیفہ تھا بس وہ عاشقی کا
ادھر سے نکلا سوال ہو کر ادھر سے آیا جواب ہو کر

نعیم کسی جحیم کسی کرشمے سارے یہ حسن کے ہیں
کسی کو لوٹا ثواب ہو کر کسی کو مارا عذاب ہو کر

بلندی اس کی اسی کی پستی ہر ایک شے میں اسی کی ہستی
عروج اسی کا [illegible] ہو کر نزول اسی کا کتاب ہو کر

خبر جو محشر میں بھیڑ کی ہے وہ حسرتوں کا ہجوم ہوگا
وہ داغ ہوگا کسی کے دل کا جو چمکے گا آفتاب ہو کر

میں دل سے اس شیخ کا ہوں قائل جو میکدے میں پڑھے تہجد
لگائے مسجد میں نعرے ہو حق کے محو دور شراب ہو کر

فراق میں اس قدر نہ تڑپا الٰہی مجھ کو خبر نہیں ہے
بڑھے گی کچھ اور بے قراری وصال میں کامیاب ہو کر

جناب ناسخ کی یہ ہدایت ہے یاد رکھنا تم اس کو آسی
غزل میں ایسے ہوں شعر جن میں کمی نہ ہو انتخاب ہو کر

(۳۳)

نہ میرے دل نہ جگر پر نہ دیدۂ تر پر
کرم کرے وہ نشانِ قدم تو پتھر پر

تمہارے حسن کی تصویر کوئی کیا کھینچے
نظر ٹھہرتی نہیں عارضِ منور پر

کسی نے لی رہِ کعبہ کوئی گیا سوئے دیر
پڑے رہے ترے بندے مگر ترے در پر

گناہگار ہوں میں واعظو تمہیں کیا فکر
مرا معاملہ چھوڑو شفیعِ محشر پر

ان ابروؤں سے کہو کشتنی میں جان بھی ہے
اسی کے واسطے خنجر کھنچا ہے خنجر پر

پلا دے آج کہ مرتے ہیں رند اے ساقی
ضرور کیا کہ یہ جلسہ ہو حوض کوثر پر

صلاحیت بھی تو پیدا کر اے دلِ مضطر
پڑا ہے نقشِ کفِ پائے یار پتھر پر

وفورِ جوشِ ضیا اور ان کے دانتوں کا
حباب گنبدِ گردوں ہے آب گوہر پر

اخیر وقت ہے آسی چلو مدینے کو
نثار ہو کے مرو تربتِ پیمبر پر

(۳۴)

وہی جو مستویِ عرش ہے خدا ہو کر
اتر پڑا ہے مدینے میں مصطفیٰ ہو کر

کیا ہو عشق نے کاہیدہ مثلِ کاہ مجھے
کشش کسی کی اڑا لے گئی ہوا ہو کر

قرار ہجر ترے عاشق کجا حیساں را
وہ آخر آئے مرے دل میں جا بجا ہو کر

نہ پوچھ تندی و تیزی مئے محبت کی
چڑھے یہ نشہ چڑھا رہ گیا فنا ہو کر

مرا سفینہ تلاطم میں بحرِ عشق کے ہے
مزا تو جب ہے خدا آئے ناخدا ہو کر

بجز تمہارے کسی کا وجود ہو یہ محال
مگر تمہیں نظر آتے ہو ما سوا ہو کر

نثار کیوں نہ کریں جان اس پہ اے آسی
فلک سے جا کے لگے جس کی خاک پا ہو کر

ردیف "ز"

(۳۵)

کیا تجھ سے طلب کرے یہ جاں سوز
بس ایک نگاہ دو جہاں سوز

شعلہ بھی ہے کیا شبیہ مجھ سے
ظاہر باطن نہاں عیاں سوز

کچھ سوز دروں کی انتہا ہے
اک آہِ ضعیف مغزِ جاں سوز

ہم اور خموش اے قیامت
گرمی جلوے کی ہے فغاں سوز

کس دشت میں عشق نے تھکایا
ہر ریگ رواں ہے کارواں سوز

ہر داغِ جگر ہے صورت گل
ہر آتشِ گل ہے گلستاں سوز

بے پردہ ہے عرش کا نظارہ
ہر شعلۂ دل ہے آسماں سوز

اس خلوتِ راز کے طلسمات
جو راز کھلا وہ رازداں سوز

وہ جانِ نزار آسیؔ زار
وہ تاب گداز غم تواں سوز

(۳۶)

ایک عالم ہے کہ مقتل میں ہے قاتل کیطرف
دھار خنجر کی فقط عاشق بیدل کیطرف

اس سے مانگا بھی اگر کچھ تو اسی کو مانگا
دیکھنا حوصلۂ ہمت سائل کی طرف

زور ہے جوش طلب کا کہ اسی کی ہے کشش
خود بخود پاؤں اٹھے جاتے ہیں منزل کیطرف

نسبتِ شرک بجز ہمتِ بیجا کیا ہے
دل ہے جب اسکی طرف رخ ہے وسائل کیطرف

مستیٔ نعرۂ ہو حق بھی کہیں وعظ میں ہے
چھوڑ کر حق کو عبث جاتے ہیں باطل کیطرف

ترکِ دنیا تو ہے دنیا طلبی سے آسان
چھوڑ کر سہل عبث جاتے ہیں مشکل کی طرف

میں خدنگِ نگہِ مست کے صدقے ساقی ایک تیر اور بھی میرے دلِ بسمل کی طرف
ہائے ہم نالۂ پردرد ہمارا نہ سنو گوشِ گل ہے ہمہ تن شورِ عنادل کیطرف

کون اس گھاٹ سے ازراہ حبابِ آ سکی
بوسہ لینے کو جھکے ہیں لبِ ساحل کیطرف

ردیف "ک"

(۳۷)

لب بلب ہے آج تجھ سے تیرے مستانے کی خاک
خوب پہچان اے بتِ مینوش پیمانے کی خاک

حشر و نشر و حسرت و اندوہ دکھا رات دن
کیا قیامت خیز نکلی تیرے دیوانے کی خاک

وہ تو کیوں آنے لگے پھر کچھ سبب اے بے خودی
گردۂ باغِ ارم ہے میرے ویرانے کی خاک

گردشِ صد جامِ وحشت ایک اک ذرے میں ہے
بزمِ صہبائے جنوں ہے تیرے دیوانے کی خاک

ہائے ان قسمت زدوں کے سینہ و قلب و جگر
جن کے قالب میں پڑی ہو میرے غمخانے کی خاک

تیرے ہی جلوے ہیں جب توڑا بتِ پندار کو
لاکھ کعبے کا ہیولیٰ ایک بت خانے کی خاک

ایک اک ذرہ ہے فردِ دفترِ صد سوزِ غم
داستانِ سنجِ دلِ عاشق ہے پروانے کی خاک

تا سحر وہ بھی نہ چھوڑی تو نے او بادِ صبا
یادگارِ رونقِ محفل تھی پروانے کی خاک

بوالہوس تجھ کو اگر تھی گنجِ مخفی کی تلاش
چھانتا تھا مثلِ آسیؔ دل کے ویرانے کی خاک

ردیف "ل"

(۳۸)

ساتوں فلک میں نقطۂ نافِ فضائے دل
یعنی نگاہ ہو تو نہیں کچھ ورائے دل

انسان کے لیے نہیں دولت سوائے دل
در در پھرو جہان میں ہو کر گدائے دل

کچھ بھی نہ آرزو ہو، یہ ہے دل کی آرزو
کوئی نہ مدعا ہو یہ ہے مدعائے دل

تم اور دل میں، اب تو کہوں گا پکار کر
دل کی نہ ابتدا ہے نہ ہے انتہائے دل

عیسیٰ وہی جو زندہ کرے دل مرا ہوا
بس خضر وہ ادھر کو جو ہو رہنمائے دل

کشور کشا وہی جسے ہو فتحِ دل نصیب
شاہی اسی کی جو کہ ہو فرماں روائے دل

مانگوں جو میں بہشت تو دوزخ نصیب ہو
تیرے سوا ہو کچھ بھی اگر مدعائے دل

بے تابیِ فراق میں تا اوجِ بامِ چرخ
دیکھا جو غور سے تو نہ تھا کچھ سوائے دل

صدقے میں اپنے بازوئے اطہر کے یا علی
آسیؔ کو اپنے کیجیے خیبر کشائے دل

ردیف "م"

(۳۹)

اے سرِّ تخلیقِ آدم صلی اللہ علیک وسلم
اے نورِ خلاقِ عالم صلی اللہ علیک وسلم

اے زخمِ جگر کے مرہم صلی اللہ علیک وسلم
اے مرے رشکِ عیسیٰ مریم صلی اللہ علیک وسلم

آپ ہوئے مکے میں پیدا دینِ حق نے جلوہ پایا
ہو گئے منسوخ ادیانِ مقدم صلی اللہ علیک وسلم

کعبہ رہے زاہد کا قبلہ میں تو ہوں تیرا عاشقِ شیدا
قبلہ مرا تیرے ابروئے پُرخم صلی اللہ علیک وسلم

آپ ہوئے ناسوت میں پیدا دیکھ لیا لاہوتی جلوہ
جلوۂ حق ہے ذاتِ اکرم صلی اللہ علیک وسلم

فرش سے تا عرشِ اعظم نورانی ہے سارا عالم
پھیلا ہے کیا نورِ مقدم صلی اللہ علیک وسلم

تھا نہیں کچھ بھی نشانِ عالم آپ تھے جب سلطانِ عالم
صدقے آپ کے جانِ عالم صلی اللہ علیک وسلم

فضلِ الٰہی سے ہے اس دم وقت حضورِ سرورِ عالم
کہتے جاؤ یارو پیہم صلی اللہ علیک وسلم

اے مرے مولیٰ اے مرے آقا مرتا ہے اک تیرا شیدا
قدموں سے مل کر دیدۂ پُرنم صلی اللہ علیک وسلم

ردیف "ن"

(۴۰)

جو آئی رنگ پر اپنی نخافت آشنائی میں
رہوں گا چور بن کر یار کے دستِ حنائی میں

بھلا خط بھی تو آلینا تو ہم سے وہ جدا ہوتے
وہ اپنے حسن سے بھی بڑھ کے نکلے بے وفائی میں

مٹا دیکھو گے دم بھر میں نشانِ ہستیِ وہمی
حباب آسا جو کھل جائیں گی آنکھیں آشنائی میں

تڑپ کر رہ گئے کیوں ہم وہ کیا دیکھا جدا ہو کر
مگر تیری ہی صورت تھی صنم تیری جدائی میں

دلِ درویش کی گردش ہے دورِ جامِ جمشیدی
مذاقِ سلطنت پایا ترے در کی گدائی میں

حباب و بحر دونوں ہیں ہمارے قول کے شاہد
کہ ہم عالم سے بیگانے ہیں تیری آشنائی میں

کلام اتنا ہے اے بلبل کہ درد ایسا نہیں ممکن
یہ مانا ہم نے تو کچھ کم نہیں رنگیں نوائی میں

قدم رکھ سالکِ راہِ طلب کا اپنی آنکھوں پر
لسانِ نقشِ پا کامل اگر ہے رہنمائی میں

کہاں جبہ کہاں چھینٹے شرابِ نابِ گلگوں کے
کہو آسی یہ کیا دھبا لگایا پارسائی میں

(۴۱)

ترے کوچے کا رستہ چاہتا ہوں
مگر غیر کا نقشِ پا چاہتا ہوں

جہاں تک ہو مجھ سے جفا چاہتا ہوں
کہیں امتحانِ وفا چاہتا ہوں

کہاں رنگِ وحدت کہاں ذوقِ صحبت
میں اپنے کو تجھ سے جدا چاہتا ہوں

وہ جب کھو چکے مجھ کو ہستی سے اپنی
تو کہتے ہیں اب ہیں ملا چاہتا ہوں

جنونِ محبت میں یہ عہد کیا
بھلا میں کسی کا برا چاہتا ہوں

طبیعت کی مشکل پسندی تو دیکھو
حسینوں سے ترکِ وفا چاہتا ہوں

جو دل میں نے چاہا تو کیا خاک چاہا — کہ دل بھی تو بے مدعا چاہتا ہوں
یہ حسرت کی لذت یہ ذوقِ تمنا — شبِ وصل اُدھر سے حیا چاہتا ہوں
سوا اس کے میں کیا کہوں تم سے آسیؔ
کہ درویش ہو تم دعا چاہتا ہوں

(۴۲)

داغِ دل دلبر نہیں سینے سے لپٹاتا ہوں کیوں
میں دلِ دشمن نہیں پھر کیوں جلا جاتا ہوں کیوں
رات اتنا کہہ کے پھر عاشق ترا غش کر گیا
جب وہی آتے نہیں میں آپ میں آتا ہوں کیوں
تنگنائے دہرِ فانی کو حیرِ جاناں نہیں
قید خانہ سے نکلتے پاؤں پھیلاتا ہوں کیوں
سنگدل کوئی تو بت ہے جس سے پہنچی ہے گزند
مثلِ ناقوسِ برہمن ورنہ چلّاتا ہوں کیوں
شمعِ بزمِ دہر ہوں یا شاہدِ عمرِ رواں
ہل نہیں سکتا جگہ سے پھر چلا جاتا ہوں کیوں
کچھ نہ کچھ بادِ مخالف بزمِ ہستی میں چلی
پیری آئی ہے تو مثلِ شمع تھراتا ہوں کیوں
ہجرِ جاناں نے کیا آب و غذا مجھ پر حرام
اشکِ غم پیتا ہوں کیوں خونِ جگر کھاتا ہوں کیوں
کیا اجل بن کر رقیبِ روسیہ آتا ہے آج!
نزع کی کیوں کیفیت مجھ میں ہے گھبراتا ہوں کیوں

طرح کا مصرع ہوا ہے جمع کے صیغے کے ساتھ
میں غزل مقرر دیں لے آسی کہے جاتا ہوں کیوں

(۴۲)

کوچۂ زلفِ صنم میں اہلِ دل جاتے ہیں کیوں
اور جاتے ہیں تو دل سی چیز چھوڑ آتے ہیں کیوں

شمع کے مانند ہے اپنا بھی کیا سوز و گداز
صورتِ پروانہ دشمن ہم سے جل جاتے ہیں کیوں

کچھ تصور ہے تمہارا یا تمہیں ہر شئے میں ہو
دیکھیے جو چیز آپ اس میں نظر آتے ہیں کیوں

جھوٹ کیوں کہتا ہے اے قاصد کہ وہ آتے نہیں
وہ اگر آتے نہیں ہم آپ میں آتے ہیں کیوں

ضعف کے باعث تو ہم بستر سے اٹھ سکتے نہیں
اب کوئی پوچھے کہ دنیا سے اٹھے جاتے ہیں کیوں

یا تو اہلِ دل سے تھا ہر دم سوالِ دردِ دل
اب ہجومِ درد ہے دل میں تو گھبراتے ہیں کیوں

تو ہی عاشق میں ہے یا کچھ محویت ہے عشق کی
ہر رگ و پے میں تجھے اے جان ہم پاتے ہیں کیوں

آرزو ہے تمہارا آنچل آنکھوں سے لگے
کچھ سمجھتے ہو کہ ہم روتے ہوئے آتے ہیں کیوں

ہم نے مانا دامِ گیسو میں نہیں آسی اسیر
باغ میں نظارۂ سنبل سے گھبراتے ہیں کیوں

(۴۴)

غمِ دلبر کے سوا کچھ نہیں اصلا دل میں — جس کو خالی کروں غم بھی نہیں لیا دلمیں

عرش ہے دل میں نہ مسجد ہے نہ کعبہ دل میں — رب بھی یار مگر گھر ہے تمہارا دلمیں

سوئے دشت ایک قدم ایک ترے گھر کی طرف — سر میں سودا ہے تو ملنے کی تمنا دلمیں

آہِ دل سرد ہے گل داغ ہیں نالے بلبل — ہے فراقِ بتِ گلرو چمن آرا دلمیں

آئینے کی طرح اپنی بھی نظر بازی ہے — آنکھ بھر کر جسے گھورا اسے پایا دلمیں

نہ تڑپ اس قدر اے عاشقِ مضطر نہ تڑپ — دھیان اسکا نہ کہیں ہو تہ و بالا دلمیں

ڈھونڈتے پھرتے ہیں کھوئے ہوئے دل کو اپنے — ہم نے جب دن سے سنا گھر ہے تمہارا دلمیں

کیا کروں دعویِ اخلاص دکھا دے تو یہ — سر میں سودائے ارم الفتِ دنیا دلمیں

کارِ امروز بہ فردا مگذار اے آسی
آج ہی چاہیئے اندیشۂ فردا دلمیں

(۴۵)

جو ترش بھی تم ہو شکر لبو! کبھی جی نہ تم سے برا کروں [۱]
تم اٹھا کے ہاتھ جو کوسو بھی میں اسی طرح سے دعا کروں

کوئی میرے دل کو لہو کرے کبھی یہ نہ ہو کہ گلا کروں
جو بھر آئے منہ میں بھی خون دل تو بہ رنگِ غنچہ ہنسا کروں

کبھی دل لیا کبھی جان لی کبھی صبر و ہوش کے سر گئی
جو یہی خوشی تو یہی سہی مجھے لوٹیے وہ میں لٹا کروں

---

[۱] یہ غزل اگرچہ ابتدائی زمانہ کی ہے لیکن اس سے حضرت آسی کے فطری ذوق کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

نہ قصور کچھ ہے رقیب کا نہ گلا کچھ اس میں حبیب کا
یہ لکھا ہے میرے نصیب کا وہ ستم کریں میں سہا کروں

کبھی روتے روتے گیا ہے جی کبھی مر کے کاٹی ہے زندگی
مری جان پر کبھی رحم بھی کہ اسی طرح سے مُوا کروں

اجی آدمی ہی کی جان ہے مجھے یہ بتاؤ کہ تا بہ کے
وہ دغا کرے میں دعا کروں وہ جفا کرے میں وفا کروں

یہ بھی التجائے شب در وز کی مگر اب یقین ہوا یہی
نہ سنیں گے میری وہ ایک بھی میں ہزار کچھ نہ کہا کروں

یہ ہے حالِ آسیؔ جاں بلب کہ کٹے کٹے نہ کٹے یہ شب
اسے چھوڑ دوں میں خدا را اب دعا کروں نہ دوا کروں

(۴۶)

ایک جلوے کی ہوس وہ دمِ رحلت بھی نہیں
کچھ محبت نہیں ظالم تو مروت بھی نہیں

اس کے کوچے میں کہاں کشمکشِ بیم و رجا
خوفِ دوزخ بھی نہیں خواہشِ جنت بھی نہیں

ذوقِ مستی کی مذمت نہ کر اتنی اے شیخ
کیا تجھے نشۂ ذوقِ مئے الفت بھی نہیں

بے نیازی بھی اٹھالوں میں ترے ناز کی طرح
کیا وہ طاقت نہ رہی مجھ میں تو ہمت بھی نہیں

کس طرح کہیئے کہ دیدار دکھایا اس نے
باغِ جنت بھی نہیں روزِ قیامت بھی نہیں

زہد و تقویٰ و اصلاح و ورع و حسنِ عمل
کچھ نہیں مجھ میں مگر کیا تری رحمت بھی نہیں

اے تمنائے مئے عیش یہ میخانۂ دہر
جائے دور مئے رنگینیٔ صحبت بھی نہیں

جذبِ کامل سے اسے کھینچ لوائے حضرتِ دل
کیسے درویش ہو کچھ تم میں کرامت بھی نہیں

کبھی آسیؔ سے ہم آغوش نہ دیکھا تجھ کو
اثرِ جذبِ دلِ اہلِ محبت بھی نہیں

(۴۷)

حباب بحر یہ کہتے ہوئے ابھرتے ہیں
فنا دم بھر میں ہے دم آشنائی کا جو بھرتے ہیں

لب رنگیں کے غم میں اشک خوں بار رو کے مرتے ہیں
لہو سے ہم برنگِ لالہ جامِ عمر بھرتے ہیں

کٹے یہ رات کیونکر ہائے کیا صدمے گزرتے ہیں
نہ وہ آتے نہ صبر آتا نہ نیند آتی نہ مرتے ہیں

بھلا کس منہ سے ہم انکارِ دردِ عشق کرتے ہیں
نہیں کچھ ہے تو کیوں رہ رہ کے دل پر ہاتھ دھرتے ہیں

اثر کچھ آہ و نالہ میں نہ کچھ تاثیر رونے میں
تو پھر نامِ محبت ہم عبث بدنام کرتے ہیں

اسی دل کی بدولت جو نہ ہونا تھا ہوا مجھ پر
میں خوش ہوتا ہوں اب دل پر جو کچھ صدمے گزرتے ہیں

جرس کی طرح نالاں ہوں میں اپنے منہ کے دانے سے
جو سالک ہیں وہ روزے رکھ کے طے یہ راہ کرتے ہیں

نہ وہ بے تابیِ دل ہے نہ وہ بے خوابیِ فرقت
لحد میں چین سے عاشق پڑے آرام کرتے ہیں

یہ متوالا کیا پیرِ مغاں نے آج آسی کو
کہ دستارِ فضیلت رہنِ جامِ بادہ کرتے ہیں

ردیف "و"

(۴۸)

فلک سے داد پا جاؤں عدالت ہو تو ایسی ہو
جدا ہوتے ہیں وہ ہم سے قیامت ہو تو ایسی ہو

رخ معنی دکھائی دے جو صورت ہو تو ایسی ہو
دلِ صاف آئینہ بن جائے حیرت ہو تو ایسی ہو

دل بے مدعا پایا جو دولت ہو تو ایسی ہو
خدا سے پھر نہ کچھ مانگا قناعت ہو تو ایسی ہو

ہم ایسے غرقِ دریائے گنہ جنت میں جا نکلے
توانِ لطمۂ موجِ شفاعت ہو تو ایسی ہو

فرشتے سر جھکائیں تیرے سجدے کو تواضع سے
سن او مٹی کے پتلے آدمیت ہو تو ایسی ہو

نہ دن بھر چین آتا ہے نہ نیند آتی ہے راتوں کو
کسی کے حال پر ان کی عنایت ہو تو ایسی ہو

دلِ کافر کی اندھیاری معاذ اللہ معاذ اللہ
مگر تاریکی شب ہائے فرقت ہو تو ایسی ہو

تعجب ہے کہ تجھکو اپنے سینے میں نہ کیوں ڈھونڈھا
کسی کو اپنی ہستی سے جو غفلت ہو تو ایسی ہو

پکارا اس نے اپنا نام لیکر رات آسی کو
نہیں اب کچھ بھی غیریت محبت ہو تو ایسی ہو

(۴۹)

تمہیں کثرت سے نفرت اور محوِ ذوقِ وحدت ہو
کچھ اس سے اور بڑھ جاؤ تو وحدت ہو نہ کثرت ہو

نہ ستّاری کو شرم آئے نہ غفّاری کو غیرت ہو
قیامت میں ترا بندہ ترے آگے فضیحت ہو

مری نظروں میں تو ہو، ڈر ترا، تیری محبت ہو
نہ دنیا ہو نہ عقبیٰ ہو نہ دوزخ ہو، نہ جنت ہو

ہماری دید میں فہمید میں دے ایسی یک رنگی
کہ صورت عینِ معنی اور معنی عینِ صورت ہو

ہمارے قتل کی نوبت اگر آ جائے مقتل میں
الٰہی دستِ قاتل میں تری تیغِ محبت ہو

انیسِ خلوتِ تنہائیِ کنجِ لحد میرا
ترا لطف و کرم تیری عنایت تیری رحمت ہو

نہیں اکسیر سے بڑھ کر ہے دولت خاکساری کی
جہادِ نفس کا شاید یہی مالِ غنیمت ہو

کہاں وہ خواہشِ بالیں و بالش اب بجز اس کے
کہ سر ہو اور سنگِ آستانِ بابِ رحمت ہو

جنابِ شیخ زہدِ خشک سے کیا کام نکلے گا
درِ پیرِ مغاں ہو اور دختِ رز سے صحبت ہو

*

(۵۰)

جان وہ دن کی ہے مہمان ستاتے کیوں ہو
آپ روتے ہوئے آئے ہیں رلاتے کیوں ہو

تم نہیں کوئی تو سب میں نظر آتے کیوں ہو
سب تمہیں تم ہو تو پھر منہ کو چھپاتے کیوں ہو

ہم نہ تابوتِ عدو ہیں نہ رہِ رسمِ وفا
آپ اٹھ جائیں گے، تم ہم کو اٹھاتے کیوں ہو

دہنِ زخم و لبِ غنچہ یہ کرتے ہیں سوال
کہ لہو تھوکنے کو ہم کو ہنساتے کیوں ہو

ہم سیہ بخت ہیں اٹھیں گے دھوئیں کی صورت
دیکھو پھر رو دو گے محفل سے اٹھاتے کیوں ہو

ان کے رخساروں سے کہتا ہے چراغِ خورشید
صورتِ شمعِ سحر ہم کو بجھاتے کیوں ہو

جیتے جی ہجر کے صدموں نے تو سونے نہ دیا
آج تربت میں مجھے آ کے سلاتے کیوں ہو

تم پری زاد ہو وعدہ تو پری زاد نہیں
آپ اڑتے ہو اڑو، بات اڑاتے کیوں ہو

ہم نے مانا کہ وہ آنکھیں نہیں جادو ہی سہی
رات بھر وصل میں پھر ان کو جگاتے کیوں ہو

(۵۱)

اس طرح درد سے لبریز جو تقدیر نہ ہو
سخنِ آتشِ شیدا غزلِ میر نہ ہو

صاف دیکھا ہے کہ غنچوں نے لہو تھوکا ہے
موسمِ گل میں الٰہی کوئی دلگیر نہ ہو

ہائے وہ حال کہ گھبرا کے وہ خود بول اٹھے
دل کو پکڑے ہوئے کیوں بیٹھے ہو دلگیر نہ ہو

مجھ سے دیوانے کو روکیں گے یہ مجلس والے
قیدِ زنجیر تری خوبیِ تقدیر نہ ہو

وہ بھی کچھ عشق ہے جو درد کی لذت نہ چکھے
وہ بھی نالہ ہے جو حسرت کشِ تاثیر نہ ہو

ہائے اس شخص کی قسمت جسے وہ روگ ملے
بجز ترے ملنے کے جس کی کوئی تدبیر نہ ہو

کوئے جاناں سے ارادہ ہے نکل جانے کا
یا الٰہی کوئی بجز موت گلو گیر نہ ہو

جس نے منہ بند کیا رات مرے نالے کا
لذتِ چاشنیِ حسرتِ تاثیر نہ ہو

کارساز الٰہی آسیؔ کی دعا ہے تجھ سے
کام میرا کوئی منت کش تدبیر نہ ہو

(۵۲)

درد دل کی کوئی تدبیر طبیبو لکھدو
دارُوئے عاشق دلگیر طبیبو لکھدو

مشکِ نافہ مرے نسخہ میں جو لکھنا ہو نہیں
گرہِ زلف گرہ گیر طبیبو لکھدو

میری جانب بھی وہ بت چشم کرم سے دیکھے
نسخۂ سرمۂ تسخیر طبیبو لکھدو

نہ لکھو بہر خدا عنبر اشہب مجھکو
خالِ روئے بتِ بے پیر طبیبو لکھدو

خیر اب اور تو کیا آسیؔ بے تاب کہے
وہ دوا جس میں ہو تاثیر طبیبو لکھدو

(۵۳)

دکھائے حسن کے غمزے جو اپنے شیدا کو
بجا ہے سمجھنے لگا ناز ہائے بے جا کو

تمام عمر کی تکلیف سے فراغت ہے
متاعِ جنس بہا جانِ جوشِ سودا کو

کہاں دل اور کہاں اس کے حسن کا جلوہ
کیا ہے عشق نے کوزے میں بند دریا کو

ہمارے خانۂ دل کو اگر کیا برباد
کہیں جگہ نہ ملے گی تری تمنا کو

سمجھ کے محتسبو دین و دل کی خیر نہیں
کہ اس کی آنکھوں سے نسبت ہے جام صہبا کو

کمی نہ جوشِ جنوں میں زیادتی میں طاقت
کوئی نہیں جو اٹھا لائے گھر میں صحرا کو

ہماری خاک فشانی کی حد بھی کچھ سمجھو
کہ بال بال میں بھر آئے دشت و صحرا ہی

ہمارے نالوں کو سن کر کبھی نکل نہ پڑے
پسند کرتے ہیں محشر کے شور و غوغا کو

خبر تو لو کوئی مُردہ آسیؔ کو زندہ کس نے کیا
یہ معجزہ تو ملا تھا کبھی مسیحا کو

۵۴

جو یہ ضد ہے کوئی بلبل کی صورت نغمہ زن کیوں ہو
کوئی گلفام کیوں ہو گلبدن گل پیرہن کیوں ہو

ہمیں سچ سچ بتا دو کون تھا شیریں کے پردے میں
کہ مشتِ خاک کی حسرت میں کوئی کوہکن کیوں ہو

سن اے بدمست موجِ دُردِ صہبا بھی مصدق ہے
نہ دل میں کچھ کدورت ہو تو چہرے پر شکن کیوں ہو

نگاہِ ناز کے سر خون ثابت ہو گیا آخر
ہم اپنے خستہ جانوں پر کوئی ناوک فگن کیوں ہو

زمستیِ پردہ داری ہو اگر بے تابیوں میں بھی
یہ دردِ دل نقابِ جلوۂ عاشق فگن کیوں ہو

نہ ہو منظورِ حسن و عشق اگر محشر بپا کرنا
قد اس کا فتنہ خیز آہِ جگر گردوں فگن کیوں ہو

وہ میرا گھورنا آنکھیں جھکانا شرم سے ان کا
الٰہی ناوکِ ذوقِ نظر آہو فگن کیوں ہو

کرشمہ کچھ نہ ہو اس میں جو تیری چشمِ میگوں کا
شرابِ جلوۂ حسنِ غنا صوفی فگن کیوں ہو

کسی پروانے کے جل بجھنے کا غم ہو جو اے آسی
نکل کر کوئی خلوت سے چراغِ انجمن کیوں ہو

(۵۵)

دلِ پیرِ مغاں میں چاہیئے اے دل ترا گھر ہو
وہی مے نوش ہے جو نورِ نگاہِ چشمِ ساغر ہو

اگر دل کو یہ چاہو تم کہ منزل گاہِ دلبر ہو
تو جو ہو غیر تم ہو یا کہ غیر اس گھر کے باہر ہو

بہر صورت طلب لازم ہے آبِ زندگانی کی
اگر پایا خضر تم ہو، نہیں پایا سکندر ہو

کوئی تو پی کے نکلے گا اڑے گی کچھ تو بو منہ سے
درِ پیرِ مغاں پر مے پرستو چل کے بستر ہو

ہیولیٰ ہو نہ تب دیجور کا میرا غبار اب تک
کسی کا ذرہ ذرہ آفتابِ روزِ محشر ہو

تمہاری ہی بدولت ہے یہ ساری رندی و مستی
وہ دن بھی ہو کہ تم ہو ہم ہوں دورِ جامِ کوثر ہو

فراق و وصل کے جھگڑے میں ڈالا مجھکو ظالم نے
غبارِ ہستیٔ وہمی جو اڑ جائے تو بہتر ہو

کبھی تم نے بھی چاہا ہے کسی کو، لو تمہیں کہہ دو
نہ آؤ تم مرے پاس اور صبر آئے یہ کیونکر ہو

کسی در پہ پڑا رو رو کے آسی رات کہتا تھا
کہ آخر میں تمہارا بندہ ہوں تم بندہ پرور ہو

٭

(۵۶)

نہ مرض کچھ ہے نہ آسیب نہ ستایا ہم کو
اک پری زاد نے دیوانہ بنایا ہم کو

ہائے قدموں سے بھی اک دن نہ لگایا ہم کو
دھیان میں خاک برابر بھی نہ لایا ہم کو

ہم مریں بھی تو نہ ہو اسکو یقینِ الفت
نیم جاں جس کی محبت نے بنایا ہم کو

ہم نہ کہتے تھے کہ اے دل نہ کسی پر جی دے
زندگی ننگ ہے اب تجھکو بتایا ہم کو

دیکھئے خاک میں ہم مل گئے مانندِ سرشک
آپ نے کس لئے آنکھوں سے گرایا ہم کو

خوب جی بھر کے انھیں دیکھ لیں ہم یا قسمت
ایک دن یہ نہ مقدر نے دکھایا ہم کو

دردِ فرقت سے بچیں گے تو کہیں گے چل کر
شکر کر شکر بھلا زندہ بھی پایا ہم کو

جان ہم سمجھے تھے جس کو وہ ہمیں دل سمجھا
ہائے کس پیار سے پہلو میں بٹھایا ہم کو

وصل کی رات بھی اس رشکِ چمن نے آسی
صورتِ شبنمِ گل خوب رلایا ہم کو

(۵۷)

عشق ہے عشق محبت سے محبت مجھ کو
اس قدر ذوقِ بلا شوقِ مصیبت مجھ کو

ہوں گنہگار مگر حسرتِ دیدار نہ پوچھ
جلوہ تیرا ہو تو دوزخ بھی ہے جنت مجھ کو

میں بھی باطل مری ہستی بھی سراسر باطل
یہ سوجھائی ہے انا الحق کی حقیقت مجھ کو

نورِ خورشید ستاروں کو مٹا دیتا ہے
تم ہو پہلو میں تو محفل بھی ہے خلوت مجھکو

کہتے ہیں تم کو جو دیکھا تو خدا کو دیکھا
خواب میں بھی تو میسر ہو یہ دولت مجھ کو

کیا خبر تھی کہ انھیں کے ہیں کرشمے سب کچھ
شکوۂ غیر کی ہے ان سے ندامت مجھ کو

بے حجابی کبھی ممکن نہیں جبتک میں ہوں
خلل انداز ہوں کر دیجئے رخصت مجھ کو

اب تو دیدار دکھا دیجئے تقصیر معاف
ہو گیا وعدۂ فردا ہی قیامت مجھ کو

کیوں نہ ہوں خاکِ در یار کہ پھر خاک نہ ہوں
آگئی اپنی بھی نہیں خاک محبت مجھ کو

(۵۸)

کہتے ہو کہ اور کو نہ چاہو
معلوم ہوا کہ تم خدا ہو

رہرو جو ملے تو رہنما ہو
کچھ اور نہ ہو تو نقشِ پا ہو

ان سے ملنا ہوا ہے مشکل
اے وہم عدو ترا برا ہو

ہمت ہے تو راہ مختصر ہے
اے ننگِ طلب بس اٹھ کھڑا ہو

تم اور دعائے مرگِ عاشق
کیا پھر وہ مرے جو مر چکا ہو

نکلا ہے کوئی تو ان کے در سے
یارب! میرا وہ مدعا ہو

اللہ رے لذتِ شفاعت
کیا جانو تم اسکو بے گنا ہو

تدبیر خدنگ جلوہ کیا ہے
دل تھامے ہوئے پڑے کرا ہو

(۵۹)

خاک ہم گردش نصیبوں کو میسر گھر نہ ہو
اے جنوں جبتک بگولوں کی طرح چکر نہ ہو

راہ وہ چلئے کہ غیرِ جذبِ کامل سر نہ ہو
نقشِ پا تک گم ہو منزل راہ کبھی رہبر نہ ہو

بلبلے کی طرح اے دیوانۂ نازک دماغ
سر وہ پیدا کر کہ جس کو حاجتِ افسر نہ ہو

چھلکی پڑتی ہے ان آنکھوں سے شرابِ بیخودی
سرمے کی تحریر کا حلقہ خطِ ساغر نہ ہو

آخر اک دن اے گلِ تر تجھکو مرجھانا پڑا
اس قدر بھی اپنے جامے سے کوئی باہر نہ ہو

تیرے پروانوں کے مجمع میں سرافرازی کہاں
داغِ سوزاں شمع ساں جبتک کہ تاجِ سر نہ ہو

ہونٹ سوکھے اور آنکھیں تر ہیں چہرہ زرد ہے
تہمتِ عشق اس بڑھاپے میں کہیں مجھ پر نہ ہو

عشق آئینہ ہے گویا عاشق و معشوق میں ‏ ‏ دل کی جو حالت ادھر ہے وہ ادھر کیونکر نہ ہو

آنسو آنکھوں میں بھر آئے سن کے آسیؔ کا کلام

درد ہو دل میں تو باتوں میں اثر کیونکر نہ ہو

ردیف "ہ"

(۶۰)

آ ئے مثلِ شمعِ چشمِ نم کے ساتھ ‏ ‏ جاتے ہیں رو دھو کے داغِ غم کے ساتھ

مثلِ نے ہم عاشقِ نالاں بھی ہیں ‏ ‏ نالۂ دلکش ہے اپنا دم کے ساتھ

دستِ غم دستِ اجل سے کم نہیں ‏ ‏ دم نکل جاتا ہے ہر ماتم کے ساتھ

حیرت آگیں دیکھتا ہے آئینہ ‏ ‏ منہ تمہارا دیدۂ پرنم کے ساتھ

جھومتا جاتا ہے آسیؔ حشر میں

عاشقانِ سرورِ عالم کے ساتھ

ردیف "ی"

(۶۱)

جز فنا عشق میں تدبیر مقدر نہ ہوئی ‏ ‏ زندگی موت سے آخر کبھی جانبر نہ ہوئی

ہائے منہ پھیر کے ظالم نے کیا کام تمام ‏ ‏ وصل تو وصل جدائی بھی میسر نہ ہوئی

گھٹ گئی وصل میں فرقت میں بڑھی تھی جتنی ‏ ‏ رات عاشق کی کبھی دن کے برابر نہ ہوئی

…یت انسان کی نارِ دز قیامت معلوم — جان لو ساعتِ دیدار مقرر نہ ہوئی

…سی میں شب غمِ موت تو سوئی تھی کہیں — سانس آئی بھی جو کمبخت تو خنجر نہ ہوئی

…یر کا دھیان تنگ اب دل میں نہیں تنگ کہاں — بس محبت وہ تمہاری ہے کہ باہر نہ ہوئی

…رہ ذرہ سے ہوا شورِ اناالشمس بلند — ایک میں ہوں کہ توجہ تری مجھ پر نہ ہوئی

…الکِ راہِ فنا مجھ سے تسلی کی نہ لے — جان کس کو غمِ محبوب میں دوبھر نہ ہوئی

زندگی کا نہ ادا خاک ہوا حق آسی
جان جب خاکِ رہِ آلِ پیمبر نہ ہوئی

۶۲

کلیجہ منہ کو آتا ہے شبِ فرقت جب آتی ہے
اکیلے منہ لپیٹے روتے روتے جان جاتی ہے

دکھاتی ہے کبھی بھالا کبھی برچھی لگاتی ہے
نگاہِ نازِ جاناں ہم کو کیا کیا آزماتی ہے

وہ بکھرانے لگے زلفوں کو چہرے پر تو میں سمجھا
گھٹا میں چاند یا محمل میں لیلیٰ منہ چھپاتی ہے

نہ کوئی زور اس عیار پر اب تک چلا اپنا
یہاں دم ٹوٹتا ہے اور دم میں جان جاتی ہے

تڑپنا تلملانا، لوٹنا، سر پیٹنا، رونا
شبِ فرقت اکیلی جان پر سو آفت آتی ہے

پچھاڑیں کھا رہا ہے لوٹتا ہوں دردِ فرقت سے
اجل کے پاؤں ٹوٹیں کیوں نہیں آخر فنا آتی ہے

نہ ہر باغ پر ہے بند اے آسی نہ شبنم پر
خدائی میری حالت دیکھ کر آنسو بہاتی ہے

(٦٣)

نہ سنتے تم جو دشمن کی زبانی — بہت دلچسپ تھی میری کہا
عداوت انتہائے دوستی ہے — عدوے جان ہے میرا یار جا
تسلی کل کے وعدے پر غضب ہے — غمِ عشق اور امیدِ زندگا
مرے دل کی تمنا ہے مگر تو — سن اے بحرِ کرم یہ بیکرا
مآل اس کا قیامت ہے قیامت — وہ آفت کی جگہ ہے دارِ فا
یہ دونوں ایک ہی ترکش کے ہیں تیر — محبت اور مرگِ ناگہا
بقا جس شے کو ہو وہ چاہتا ہوں — سن اے تیرے سوا سب کچھ ہے فا
ہزاروں حسرتیں اس میں بھری تھیں — غبار اس قافلے کی ہے نشا

بھلا آسی کے شکووں کا گلا کیا
محبت کو ہے لازم بدگمانی

(٦٤)

خوفِ دوزخ نہ حرصِ جنت کی — بے غرض میں نے تجھ سے الفت ک
داد رے الفت اپنی امت کی — مجھ سے بیکس کی بھی شفاعت کی
نہ کھلی کچھ حقیقتِ معراج — رہی پردے میں بات خلوت کی
خاکِ پائے علیؓ ہوا اے دل — یہ ہوا اوجِ بامِ رفعت کی
پھر بھی ہم تم جدا جدا ٹھہرے — وصل میں بھی ادا ہے فرقت کی
ہوا جو وطن سے آوارہ — بو نہیں اس میں آدمیت کی

…ضرا اب تو جانِ زار کی خیر — آج پھر دردِ دل نے شدت کی
…ن کے جور و جفا کے شکوے کیا — یہی سیرت ہے حسنِ صورت کی
نہ غزل ہے نہ اس میں عرضِ ہنر
بڑھ آ سی یہ جوشِ وحشت کی

(۶۵)

جو رہا اور کوئی دم یہی حالت دل کی
آج ہے پہلوئے غمناک سے رخصت دل کی
گھر چھٹا، شہر چھٹا، کوچہ دلدار چھٹا
کوہ و صحرا میں لئے پھرتی ہے وحشت دل کی
غمِ دلدار ہے خواہاں تو حوالے کر دے
تجھ کو اے عاشقِ بے تاب ضرورت دل کی
کس طرح صورتِ منصور انا الحق نہ کہے
دارِ دنیا میں سمجھ لے جو حقیقت دل کی
دل دیا جس نے کسی کو وہ ہوا صاحبِ دل
ہاتھ آ جاتی ہے کھو دینے سے نعمت دل کی
کوچۂ یار سے گھبرا کے نکلنا کیا تھا
دل کو شکوے ہیں مرے مجھکو شکایت دل کی
اب کسی یار سے مطلب ہے نہ اغیار سے کام
کنجِ عزلت میں رہا کرتی ہے صحبت دل کی
دبکھیے آنکھوں میں جالے پڑے روتے روتے
خوب چھن چھن کے نکلتی ہے کدورت دل کی

راستا چھوڑ دیا اس نے ادھر کا آسی
کیوں بنی رہگذرِ یار میں تربت دل کی

(۶۶)

حرص دولت کی نہ عز و جاہ کی — بس تمنا ہے دلِ آگاہ کی
درد دل کتنا پسند آیا اسے — میں نے جب کی آہ اس نے واہ کی
کھنچ گئے کنعاں سے یوسف مصر کو — پوچھئے حضرت سے قوت چاہ کی
بس سلوک اس کا ہے منزل اس کی ہے — اس کے دل تک جس نے اپنی راہ کی
واعظو! کیا بتوں کا گھورنا — کچھ خبر ہے ثمّ وجہ اللہ کی
کس کی حسرت نے جگایا تھا ہمیں — نیند سوئے قبر میں نوشاہ کی
مجھ سے مجرم کے لئے خلدِ بریں — مہربانی ہے رسول اللہ کی
یاد آئی طاقِ بیت اللہ ہمیں — بیت ابرو اس بتِ دلخواہ کی

راہ حق کی ہے اگر آسی تلاش
خاکِ رہ ہو مردِ حق آگاہ کی

(۶۷)

الٰہی بند ہو رہی ہے آج گلشن میں ہوا کس کی
لئے پھرتی ہے خوشبو دم بدم بادِ صبا کس کی
ہوئی ہے اس طرح سے بے اثر یارب دعا کس کی
پھر آئی ہے فلک سے جا کے آہِ نارسا کس کی
کیا وار اس نے غیر دل پر مرے ہم رشک کے مارے
تماشا ہے الٰہی لگ گئی کس کو قضا کس کی

خفا صیاد ہے چیں بر جبیں گلچیں ہے کیا باعث
برا کس کا کیا تقصیر کی ہم نے بھلا کس کی

صدا تک بھی نہ دی میرے دہانِ زخم نے ہے ہے
نہ پوچھو گر گئی ہم میں نگاہِ سرمہ سا کس کی

ہمارا خون کرتے ہیں کہ مہندی ہی وہ ملتے ہیں
تمنا آج بر لاتا ہے دیکھیں تو خدا کس کی

تہِ عرشِ معلیٰ کچھ دھواں سا آج اٹھتا ہے
خدا جانے لگا آئی ہے آگ آہِ رسا کس کی

جدھر چلتا ہے اے جلاد بسمل اس کو کرتا ہے
اڑائی ہے ترے خنجر نے چلنے کی ادا کس کی

عجب حسرت سے آسی کہہ رہا تھا کل مدینے میں!
شفاعت ہوگی پہلے حشر میں یا مصطفیٰ کس کی

(۶۸)

وہ اور جدا ہم سے یہ تقدیر ہماری
کچھ ان کی خطا اس میں نہ تقصیر ہماری

کیوں بھیجیں وہ جنت میں ہمیں اپنی گلی سے
ہاں کوئی خطا قابلِ تعزیر ہماری

جو حلقہ ہے حلقہ ہے وہ پاکانِ ازل کا
آزادیٔ کونین ہے زنجیر ہماری

اعمال کی پرسش تجھے ہم کو یہ تفحص
رحمت تری بڑھکر ہے کہ تقصیر ہماری

تم کیا ہوئے قابو میں کہ قابو میں ہم آئے
تسخیر تمہاری ہوئی تسخیر ہماری

آئے وہ مرے گھر کششِ جوشِ جنوں سے
اللہ رے یہ خوبیٔ تقدیر ہماری

پہچان لیا جلوہ گرِ خانۂ دل کو
آئینۂ معمار ہے تعمیر ہماری

وعدہ کیے اس شوخ نے آنیکے شبِ غم — اب دیکھیے کیا کرتی ہے تقدیر ہماری

آسیؔ اگر ادراکِ حقیقت ہو میسر
ہے انفس و آفاق میں تاثیر ہماری

(۶۹)

اے جنوں پھر مرے سر پر وہی شامت آئی — پھر پھنسا زلفوں میں دل پھر وہی آفت آئی
مر کے بھی جذبِ دلِ قیس میں تاثیر یہ تھی — خاک اڑاتی ہوئی لیلیٰ سرِ تربت آئی
مسجدیں شہر کی اے پیرِ مغاں خالی ہیں — میکدے میں تو جماعت کی جماعت آئی
وہ ہے گھر کس کا ہیں ادھر بھیڑ نظر بازوں کی — آج اس کوچہ میں سنتے ہیں قیامت آئی

کبھی جی بھر کے وطن میں نہ رہے ہم آسیؔ
روزِ میلاد سے تقدیر میں غربت آئی

(۷۰)

آئینہ آپ کے نزدیک جو نامحرم ہے — آپ نے خاک نہ جانا کہ مجھے کیا غم ہے
میرے دشمن کو نہ مجھ پہ کبھی قابو دینا — تم نے منہ پھیر لیا آہ یہی کیا کم ہے
جو اڑی خاکِ قدم جان پڑی اس میں خضر در — کیا ہوا جنبشِ دامن کی مسیحا دم ہے
وصل کی شب در و دیوار سے آئی آواز — خواہشوں کو جو پچھاڑے وہ بڑا رستم ہے
ایک عالم کے طلسمات میں جی چھوٹ گیا — ہر ادائے نگہِ یار نیا عالم ہے
کیوں نہ دی جان کسی پر کہ نہ پھر موت آئی — زندگی مفت گنوائی یہ بڑا ماتم ہے
تو نے کیا ذکر کہاں آ کے نکالا واعظ! — یہ وہ کوچہ ہے کہ جس میں غمِ جنت کم ہے
خاکِ دل ہے غمِ عالم نظرِ یار رفو — زخمِ کاری ہے غمِ عشق، فنا مرہم ہے
قالبِ نظم میں یہ جو پھونک دی جان اے آسیؔ — نہ وہ عیسیٰ ہیں نہ موسیٰ وہ ہمارا دم ہے

(۷۱)

عہدِ شباب عہدِ وفائے نگار ہے ۔۔۔ کتنا ہی پائدار ہو ناپائدار ہے
کیوں تجھکو اس قدر غمِ روزِ شمار ہے ۔۔۔ اے محتسب شراب بڑی غم گسار ہے
فانی ہے گردشِ فلکی بھی ہمارے ساتھ ۔۔۔ ساری ہمیں سے دشمنیٔ روزگار ہے
کیا چیز تیری نذر کریں اے رسولِ یار ۔۔۔ اپنی تو زندگی بھی یہاں مستعار ہے
عشق و ہوس میں حسن کو تمیز چاہیئے ۔۔۔ مانو نہ مانو آگے تمہیں اختیار ہے
ہستی ہے عینِ موجۂ دریائے نیستی ۔۔۔ درکار قوتِ نگہِ اعتبار ہے
وقتِ اخیر اگر نہ بندھا غیر کا خیال ۔۔۔ کنجِ لحد ہمیں چمنِ کوئے یار ہے
واعظ مرا معاملہ میرے خدا کو سونپ ۔۔۔ بندہ گناہگار وہ آمرزگار ہے

مستی میں کوئی راز جو آسی سے فاش ہو
معذور ہے ابھی کہ نیا بادہ خوار ہے

(۷۲)

کہتے ہو جانِ زار کو یہ مستعار ہے ۔۔۔ دل پیشکش کروں تو کہو داغدار ہے
کس روز ایک رنگ پر اسکو قرار ہے ۔۔۔ عاشق کی زیست ہم نفسِ روزگار ہے
بلبل خزاں میں بھی کہیں کرتی تھی چہچہے ۔۔۔ خونِ جگر سے آہ مری گلعذار ہے
دشمن کو فکر کیوں مری صحت کی پڑ گئی ۔۔۔ اے دردِ عشق اب تو ترا اعتبار ہے
گو روسیہ سے خوف تو واعظ کو چاہیئے ۔۔۔ پابندِ زلفِ عاشقِ شبہائے تار ہے
دونوں ہی کامیاب وہ پہلو نکالئے ۔۔۔ دل اس طرف، جگر ادھر امیدوار ہے
دامِ فنائے ہستیٔ موہوم واہ وا ۔۔۔ عنقائے وصلِ یار ضرور اب شکار ہے
شعر اور سرِ غیب یقیناً یہ میں نہیں ۔۔۔ روح القدس ہے یا کرمِ کردگار ہے
اے رخشِ عمر تو نے گڑھے میں گرا دیا ۔۔۔ آسی کو سنتے تھے کہ بڑا شہسوار ہے

(۷۳)

آنکھیں پائی ہیں غمِ فرقت میں رونے کیلئے
آستینیں ہاتھ آئی ہیں بھگونے کے لیے
گلشنِ ہستی میں شکلِ غنچۂ گل یا نصیب
آئے ہم خستہ جگر دل چاک ہونے کے لیے
سوزشِ غم سے ہم اس محفل میں ہیں مانندِ شمع
جلنے گھلنے سر کے دھننے اور رونے کے لیے
دولتِ ہوش و خرد یا نقدِ جاں یا جنسِ دل
جو یہاں ہے وہ ترے سودے میں کھونے کے لیے
تو بھی کیا آئی تھی اے شبنم یہاں میری طرح
ان گلوں سے مل کے چپکے چپکے رونے کے لیے
جز شبِ گور اب تو نیند آنا بہت دشوار ہے
بس وہی اک رات ہے فرقت میں سونے کے لیے
قافلہ منزل کو جا پہنچا مگر مثلِ غبار
رہ گئے ہیں ایک ہم برباد ہونے کے لیے
کیا بتاؤں کس لیے ہے یہ وفورِ آبِ اشک
دامنِ دل میں ہیں دھبّے ان کے دھونے کے لیے

اس کٹہرے کی گلی میں ہم بھی آسی کی طرح
نقدِ جاں سی چیز لے جاتے ہیں کھونے کے لئے

☆

(۷۴)

اکر کھدئیے پرزے جگر کے — اجی بل جائیے تیغِ نظر کے
یہ حالت ہو گئی زلفوں میں پھنس کر — کہ اب مہمان ہیں ہم رات بھر کے
تم نے قدر کچھ عاشق کی جانی — بہت روؤ گے اک دن یاد کر کے
حد میں تم نہ چھیڑ ڈالے فرشتو — ستائے ہیں کسی کے عمر بھر کے
نے آنسو پھپھولے صورتِ شمع — جلائے ہیں ہم اپنی چشمِ تر کے
برنگِ شمع ٹھنڈا ابھی کرائے صبح — جلائے ہیں کسی کے رات بھر کے
خدا حافظ ترے بیمار کا ہے — کہ اب غش آتے ہیں دو دو پہر کے
نہیں دل یا جگر جلنے لگے گا — نہ سنیئے میری آہیں کان دھر کے

کہیں پھر چوٹ کھائی تم نے آسی
بہت روتے ہو دل پر ہاتھ دھر کے

(۷۵)

وہ کیا ہے ترا جس میں جلوہ نہیں ہے — نہ دیکھے تجھے کوئی اندھا نہیں ہے
یا ہے وہاں اس نے پیمانِ فردا — یہاں ہے وہ شب جس کو فردا نہیں ہے
ری زیست کیونکر نہ ہو جاودانی — جو مرتا ہے اس پر وہ مرتا نہیں ہے
ہی خاک اڑانا وہی گردشیں ہیں — یہ مانا کہ عاشق بگولا نہیں ہے
ن آنکھوں کو جب سے بصارت ملی ہے — سوا تیرے کچھ میں نے دیکھا نہیں ہے
ہ دل کیا جو دلبر کی صورت نہ پکڑے — وہ مجنوں نہیں ہے جو لیلیٰ نہیں ہے
مالِ ظہورِ تجلی سے جانا — جو پنہاں نہیں ہے وہ پیدا نہیں ہے
ہ رہرو ہوں میں صورتِ نکہتِ گل — جسے خارِ رہ کا بھی کھٹکا نہیں ہے

نکل جائے دم اس کی الفت میں آسی
سوا اسکے اب کچھ تمنّا نہیں ہے

(۷۶)

زخمی ہوئے آسی کہیں پھر تیرِ نظر سے
گرتا ہے لہو آنسوؤں میں دیدۂ تر سے
اب حاجتِ روزن نہ غرض رخنۂ در سے
منہ اس نے نکالا ہے یہاں چاکِ جگر سے
باطن سے نہیں راہ تو کیا دیدۂ ظاہر
آنکھ اپنی برابر نہ ہوئی چشمِ گہر سے
آئینۂ طبیعت ہیں مگر اہلِ صفا بھی
بے ساعتِ دیدار نکلتے نہیں گھر سے
ظاہر میں تو کچھ چوٹ نہیں کھائی ہے ایسی
کیوں ہاتھ اٹھایا نہیں جاتا ہے جگر سے
مرتا ہوں میں ان پر تو وہ آزردہ ہیں سُنکر
کیوں رنج نہ ہو دوست کے مرنے کی خبر سے
رگ رگ میں ہے جوشِ مۓ سرجوشِ انا الحق
دیکھا مجھے ساقی نے عجیب مست نظر سے
اے آئینۂ منزلِ عکسِ رخِ جاناں
آنکھ اپنی بدل دے مری اس دیدۂ تر سے
آسی اسی حسرت میں مرے اور جیے ہم
بے پردہ نظارہ ہو کہیں دیدۂ تر سے

(۷۷)

قطرے میں کچھ نہیں پانی کے سوا کیا کہیئے
بات کہنے کی نہیں ہے بخدا کیا کہیئے

لالہ و گل میں اسی رشکِ چمن کی ہے بہار
باغ میں کون ہے اے بادِ صبا کیا کہیئے

ہم کہاں ہم تو ہیں معدوم مگر ہے کوئی
کہدیں کچھ صاف تو ہوتے ہو خفا کیا کہیئے

سب بدل سکتے ہیں یہ سمع و بصر ہوش و خرد
میری سنتے نہیں میرے رفقا کیا کہیئے

کعبہ جب گھر ہے تو بت خانے میں ہونا کیسا
اس کو بیجا کہیں یا کہیئے بجا کیا کہیئے

ایک ہستی کے سوا کچھ بھی نہ جانا ہم نے
اے نکیرین بھلا اس کے سوا کیا کہیئے

آسی خاک نشیں ہے تو سیہ کار ضرور
سگِ درگاہِ رشیدی ہے برا کیا کہیئے

(۷۸)

رہِ ملکِ عدم کا نام سنکر دم نکلتا ہے
یہ وہ رستا ہے جس میں ہر مسافر سر سے چلتا ہے

غم اس کا کیا خرامِ ناز ہے جو دل کو ملتا ہے
کلیجا کیا کوئی نالا ہے جو منہ سے نکلتا ہے

ہوا تیری سمائی ہے جو اے ابرِ کرم سر میں
خوشی سے پھول کر کیا کیا حبابِ بحر اچھلتا ہے

بسانِ شمع سوزِ غم میں کیا اخفائے گریہ ہو
گلے کا ہار ہو جاتا ہے جو آنسو نکلتا ہے

پڑا ہے نقشِ پا کی طرح عاشق تیرے کوچے میں
نہ اٹھتا ہے نہ ہلتا ہے نہ پھرتا ہے نہ چلتا ہے

ملایا خاک میں ناقدریوں نے اہلِ بینش کی
جو مثلِ اشک آنکھوں سے گرا کب وہ سنبھلتا ہے
اگر شورِ شباب اتنا ہوا اس کا تکبّر کیا
گجر ہے دوپہر کا آفتابِ حسن ڈھلتا ہے
غمِ دنداں میں مثلِ ابرِ نیساں ہیں مری آنکھیں
دُرِ نایاب بن جاتا ہے جو آنسو نکلتا ہے
دمِ توصیفِ ابروئے آسمانِ فکر آسی پر!
مہِ نو کی طرح ہر مصرعہ روشن نکلتا ہے

(۷۹)

کلامِ دردِ آگیں کی صفائی جان لیتی ہے
عروسِ فکر آسی رونمائی جان لیتی ہے
دمِ نزعِ رواں اچھی طرح ثابت ہوا مجھکو
فرشتہ بن کے بھی تیری جدائی جان لیتی ہے
جو عاشق ہے تو عالی ظرف ہو ورنہ حباب آسا
تنک ظرفوں کی آخر آشنائی جان لیتی ہے
زبانِ موج ہر پھر کر یہ کہتی ہے حبابوں سے
ہوا سرکش کے سر میں جب سمائی جان لیتی ہے
لسانِ شمع بہہ جاتا ہے سارا جسم گھل گھل کر
جنوں نے آگ جب سر میں لگائی جان جاتی ہے
مگر عمرِ رواں کی شان ہو فتنہ پیدا کی
کہ اس سروِ رواں کی بے وفائی جان لیتی ہے

بہت مشکل ہے جینا آدمی کو عاشقی کر کے
اجل جس وقت جس کے سر پہ آئی جان لیتی ہے
جگر دل ٹکڑے ٹکڑے ہو کے گر پڑتے ہیں آنکھوں سے
نگاہِ ناز کی تیغ آزمائی جان لیتی ہے
جو تڑپاتا ہے سوتے میں کبھی آتی تو یہ کہتا ہے
الٰہی اب تو ان کی پارسائی جان لیتی ہے

(۸۰)

ذوقِ افزائے جنوں ہے اشتیاقِ ہم نے مجھے
دل مرا درکار اس کو اور اس کا غم مجھے
سجدے سے اٹھنے نہیں دیتا کمالِ خم نے مجھے
آکے اس در پہ ہے واجب شکرِ بارِ غم نے مجھے
ذرّے ذرّے میں ترا جلوہ سہی اے آفتاب
دیکھنے دیتا ہے کچھ یہ دیدۂ پُر نم نے مجھے
سنگِ بارانِ حوادث اور مجھ ساختہ جاں
میں یہاں کیا کرنے آنا لائے دے کر دم مجھے
آ لپٹ کر تجھ سے رو لوں اے بہشتِ کوئے یار
آج کیوں اس نے سنایا قصۂ آدم مجھے
دل میں کیا کیا حسرتیں تھیں جن کے تم قاتل ہوئے
پیٹنے دو کیوں رہے اب حسرتِ ماتم نے مجھے
دعوئِ غم خواری اور ان ساعدئے جاں مرا
کر دیا کیا فرطِ غم نے خود سراپا غم مجھے

واقعی صہبائے ذوقِ جلوہ ہستی سوز ہے
وجد میں لاتی ہے آسیؔ حالتِ شبنم مجھے

(۸۱)

وصل ہے پر دل میں اب تک ذوقِ غم پیچیدہ ہے
بلبلا ہے عین دریا میں مگر نم دیدہ ہے

آنکھیں تجھ کو ڈھونڈھتی ہیں دل ترا گرویدہ ہے
جلوہ تیرا دیدہ ہے صورت تری نادیدہ ہے

بے حجابی وہ کہ ہر صورت میں جلوہ آشکار
گھونگھٹ اس پر یہ کہ صورت آج تک نادیدہ ہے

دیکھئے کس چیز سے تشبیہہ تیرے حسن کو
ایک تو ہی دیدہ ہے تیرے سوا نادیدہ ہے

ہجر میں کیا زمین و آسماں کا فاصلہ
جو ستارا ہے وہ داغِ حسرتِ بالیدہ ہے

اتنے بُت خانوں میں سجدے ایک کعبے کے عوض
کفر تو اسلام سے بڑھکر ترا گرویدہ ہے

آدمی کی سرکشی غفلت ہے اپنے اصل سے
ذوقِ سجدہ قطرۂ افتادہ میں بچیدہ ہے

عاشقِ گریاں نے رات اپنی تڑپ کر صبح کی
چشمِ اشک آلودہ بھی زخمِ نمک پاشیدہ ہے

حشر میں منہ پھیر کر کہنا کسی کا ہائے ہائے
آسیِؔ گستاخ کا ہر جرم نابخشیدہ ہے

(٨٢)

مشتاق ترکِ لذتِ گفتار کیوں کرے
دیداری کے واسطے اصرار کیوں کرے

معشوق ہے علاجِ دلِ دردمندِ وصل
گو دل کی بات ہو مگر اقرار کیوں کرے

کھایا مجھے بھی غم نے عوض کا گلا نہیں
غم اس لیے تو اے مرے غمخوار کیوں کرے

اللہ رے تیرے عشق کی رنگیں مزاجیاں
ایسا نہ ہو تو آنکھوں کو خونبار کیوں کرے

فرصت کہاں نظارۂ رخسارِ یار سے
دل فصلِ گل میں رغبتِ گلزار کیوں کرے

گردن ہو اور بارِ کرم یہ کہاں قبول
اپنا ہی سر نہ کیوں ہو گرانبار کیوں کرے

موسیٰ اگر ملیں تو یہ ہے پوچھنے کی بات
دل ہی نہ ہو تو حسرتِ دیدار کیوں کرے

محشر میں کچھ غرض ہے دیدار سے نہیں
دورِ آخیر میں وہ گنہگار کیوں کرے

آسی کو بھی بنا ہی کے چھوڑا شراب نوش
جو پارسا ہو صحبتِ میخوار کیوں کرے

(٨٣)

کچھ کہوں کہنا جو میرا کیجئے
چاہنے والے کو چاہا کیجئے

حوصلہ تیغِ جفا کا رہ نہ جائے
آیئے خونِ تمنا کیجئے

کس کو دیکھا ان کی صورت دیکھ کر
جی میں آتا ہے کہ سجدا کیجئے

فتنے سب برپا کیے ہیں حسن کے
میری الفت کو نہ رسوا کیجئے

حورِ جنت ان سے کچھ بڑھ کر سہی
ایک دل کیا کیا تمنا کیجئے

جوش میں آ جائے رحمت کی طرح
ایک اک قطرہ کو دریا کیجئے

مل چکے اب ملنے والے خاک کے
قبر پر جا جا کے رویا کیجئے

ایک وصل ان کا وہ قسمت میں نہیں
اور کس شے کی تمنا کیجئے

راہ تکتے تکتے آسی چل بسا
کیوں کسی سے آپ وعدا کیجئے

(۸۴)

خاک پا آنکھوں میں عاشق ہیں لگانے والے
دل میں آ جا ارے او عرش کے جانے والے

صورتِ نقشِ قدم بیٹھے ہیں کوچے میں ترے
دیکھیں کس طرح اٹھاتے ہیں اٹھانے والے

دردِ دل بھی سبب رحمتِ حق ہوتا ہے
تیرے قربان ہم او دل کے ستانے والے

دل کے دکھنے میں عجب طرح کی یہ لذت ہے
یا خدا خوش رہیں عاشق کے ستانے والے

قبر پر بیٹھ کے روؤ گے نہ پاؤ گے جواب
پھر کے آنے کے نہیں جان سے جانے والے

دل مرا توڑ کے بیدرد کہاں جاتا ہے
ڈر خدا سے ارے او کعبہ کے ڈھانے والے

جیتے جی کون ترے در سے اٹھا سکتا ہے
بس اٹھائیں گے جنازے کے اٹھانے والے

حشر میں بیٹھیں گے زیرِ قدم پاکِ نبیؐ
بے ٹھکانے کہیں ہوتے ہیں ٹھکانے والے

اب کہیں آتشِ نالاں ہے نہ فیس دستر باد
کیا ہوا کنگرۂ عرش ہلانے والے

(۸۵)

بلبلے کی طرح آنکھوں کو جو اندھا کرتے
تجھکو اے بحرِ کرم دل ہی میں دیکھا کرتے

نالہ ہائے شبِ غم حشر بہ برپا کرتے
آج وہ ہم سے وفا وعدۂ فردا کرتے
جا کے بت خانے میں کس طرح نہ سجدہ کرتے
بت میں بھی تو نظر آیا تو بتا کیا کرتے
یا الٰہی دلِ احباب کے ارمان کے ساتھ
اپنی محفل سے وہ دشمن کو نکالا کرتے
عالم اک آئینہ خانہ ہے ترے جلوے کا
ہم جدھر دیکھتے آخر تجھے دیکھا کرتے
ہیں عکس آئینہ خانے میں تو ذی عکس نہیں
وہی پنہاں تھے اگر ہم کو نہ پیدا کرتے
جانتے تھے کہ شبِ ہجر نہیں کٹنے کی
پھر وہ خوش ہو کے نہ کیوں وعدۂ فردا کرتے
تو نے دعویٰ خدائی نہ کیا خوب کیا
اے صنم ہم ترے دیدار کو ترسا کرتے
زندگی فرقتِ دلدار میں کیا اے آسی
مر نہ جاتے جو شبِ ہجر تو ہم کیا کرتے

(٨٦)

نہ کبھی کے بادہ پرست ہیں نہ ہمیں یہ کیفِ شراب ہے
لبِ یار چومے ہیں خواب میں وہی ذوقِ مستیِ خواب ہے
وہی پیشِ چشم ہے ہر نظر مگر اب بھی شوقِ نقاب ہے
وہی میری ہر رگ و پے میں ہے مگر اب بھی مجھ سے حجاب ہے

کبھی میری بھی تجھے چاہ تھی ترے دل میں میری بھی راہ تھی
کبھی اس طرف بھی نگاہ تھی کہ یہ سب خیال ہے خواب ہے

انھیں کبرِ حسن کی نخوتیں مجھے فیضِ عشق کی حیرتیں
نہ کلام ہے نہ پیام ہے نہ سوال ہے نہ جواب ہے

کوئی گل نہیں کہ نہ جس میں ہو مرے گل کی نکہتِ جانفزا
مرے مست کرنے کو بھول بھی تو چمن میں بادہ ناب ہے

جو حجاب تھا وہ اٹھا مگر کہ وہ دل میں اب ہے ہو جلوہ گر
مرے گھر میں یار ہے کیا گزر یہ خیال کہیئے کہ خواب ہے

کہیں پوچھ ہی اٹھے وہ صنم کوئی دم کٹا ہے بغیرِ غم
وہ محاسبے میں ہے دم بدم جسے خوفِ روزِ حساب ہے

پئے ترکِ شاہد و مے ابھی کروں استخارہ میں کس طرح
وہ جو خاک پاک کی سبحہ تھی وہی رہنِ جامِ شراب ہے

وہ ہزار آتشِ زار سے ملیں لطف سے رحم سے پیار سے
مگر اپنے دل میں نہ دینگے گھر کہ وہ ایک خانہ خراب ہے

(۸۷)

پسِ مرگ تو اسکو میں دیکھوں بھلا کہیں ایسے بھی بخت خدا دے مجھے
سرِ گور جو آئے وہ ماہ لقا کوئی خوابِ لحد سے جگا دے مجھے

ترے یارِ فراق سے پس میں گیا دلِ غمزدہ سینے میں خون ہوا
مگر اب بھی تو کوئی رنگِ حنا ترے قدموں سے لے کے لگا دے مجھے

دمِ مرگ غضب ہے وہ گرم نظر ہوئے رشکِ مسیح وہ ہونٹ اگر
یہی کھیل ہے اندنوں آٹھ پہر وہ جِلا دے مجھے یہ جلا دے مجھے

کسی طرح تو سنبھلے یہ جانِ حزیں مرے پاس وہ آئے ضرور نہیں
رہے دور ہی مجھ سے وہ ماہ جبیں مگر اپنی جھلک تو دکھائے مجھے

ہوئی عمر فراق میں مجھکو مرے ترے ساغرِ چشم ہیں دونوں بھرے
وہ جو آبِ حیات کو مات کرے کوئی ایسی شراب پلا دے مجھے

ترے کوچے میں آکے مرا ہوں صنم نہ ہے آنکھوں میں جان نہ سینے میں دم
یہ پڑا جو ہوں صورتِ نقشِ قدم کوئی خاک میں آکے ملا دے مجھے

مری آفتِ جاں ہے وہ کج نظری مجھے میت کرے گی وہ بے کمری
یہی چال جو اس کی ہے ناز بھری تو نہ خاک میں کیسے ملا دے مجھے

یہی حسرتِ دل ہے کہ اے مرے رب سے اتنی تو ہمت خیر دے اب
کروں وصل میں بوسے میں جتنے طلب وہ کچھ اور بھی اس سے سوا دے مجھے

یہی سوچ ہے آسی خستہ جگر مرے خشک ہوں کیسے یہ دامنِ تر
وہی دامنِ پاک سے اپنے مگر کہیں کھا کے جو زخم ہوا دے مجھے

(۸۸)

آج وہ میں مجمعِ احباب ہے	ایک مجور آسی بے تاب ہے
موت تھی یا بے قراری کا علاج	میت اپنی کشتۂ سیماب ہے
دیکھئے حوریں دکھائی جاتی ہیں	امتحانِ عاشقِ بے تاب ہے
میری آنکھیں اور دیدار آپ کا	یا قیامت آگئی یا خواب ہے
ڈوب اے غواصِ دریائے طلب	وصلِ جاناں گوہرِ نایاب ہے
اے نمک زارِ تبسم واہ وا	زخم سینے کا گل شاداب ہے
قصرِ تن پیری میں مسجد ہو گیا	تہ جہاں خم ہو گیا محراب ہے
روزِ فرقت بھی ہے کیا رنگیں مزاج	بادۂ گل رنگ خونِ ناب ہے

چوٹ کھائی تم نے اے آسی کہیں
کچھ نہ کچھ دل آج لذت یاب ہے

(۸۹)

حجابِ گنجِ مخفی میں نہاں تھے
الٰہی ہم کہاں آئے کہاں تھے
رہے رستے ہی میں قدموں سے چھٹکر
مگر ہم نقشِ پائے رفتگاں تھے
جب اس کوچے کی حاصل تھی گدائی
خداوندِ زمین و آسماں تھے
ہوئے ظاہر بسانِ نورِ باطن
درِ اربابِ دل میں ہم نہاں تھے
ترے کوچے میں جب چلنا پڑا تھا
بسانِ اشک آنکھوں سے رواں تھے
کہاں داغ اسکی الفت کے کہاں دل
یہ درہم گنجِ مخفی میں نہاں تھے
نہ تھا معشوق جس میں غیر عاشق
عجب خلوت تھی وہ بھی ہم جہاں تھے
گئے وہ دن کہ ہر دم یہ جگر دل
لہو بن بن کے آنکھوں سے رواں تھے
مرے پہلو میں کل بیٹھے تھے آسی
مگر جب تک تھے مثلِ دل تپاں تھے

(۹۰)

غلط ہے آسی یہ بدگمانی وہاں کسی کا گزر نہیں ہے
کہ آج تک تیری حالتوں کی کہیں کسی کو خبر نہیں ہے
وہ کیوں نہیں حسن کا تقاضا یہی نہ ہے کچھ حجاب میرا
نقاب الٹیں وہ بے تکلف کہ مجھ کو تابِ نظر نہیں ہے
وصال دو فرقت کے تند شکوے تو کیوں ہو دیدار کی تمنا
جو غیر اسکے کسی کو دیکھے کبھی وہ صاحب نظر نہیں ہے

ہم اور ضبط اب کہاں وہ طاقت چھپائیں اب کس میں سرِّ الفت
تمہارے تیروں نے چھان ڈالا وہ دل نہیں وہ جگر نہیں ہے

کہاں وہ آئے کدھر وہ آئے کہاں وہ ٹھہرے کدھر سدھارے
انھیں میں ہم محو تھے کچھ ایسے کہ ہم کو ان کی خبر نہیں ہے

نہ کیوں ہو دل کو یقین پیدا شہادت اس کی ہے غیب اس کا
نقاب منہ پر نہیں ہے لیکن کسی کو تابِ نظر نہیں ہے

رقیب جب تک کہ اٹھ نہ جائے ہمیں تو پاس اپنے کیوں بلائے
سوا ترے کچھ نظر نہ آئے ہماری ایسی نظر نہیں ہے

جو اپنے دم سے بھی آدمی کو نصیب ہو اتحادِ کامل
کسے نہیں خلوتِ انجمن میں کسے وطن میں سفر نہیں ہے

خفا نہ ہو بات مانو میری نہ راہ لو غیر کی گلی کی
یہ سچ ہے بیخود پڑا ہے آ کے مگر کبھی بے خبر نہیں ہے

(۹۱)

دلِ عاشق میں قلق حد سے سوا ہوتا ہے
ذکرِ محبوب بھی اندوہ فزا ہوتا ہے

انہیں کانوں سے انا الحق کے سنے ہیں دعوے
آدمی عشق میں کیا جانئے کیا ہوتا ہے

حسن کی چارہ گری کا ہے بڑا شور مگر
دردِ الفت کہیں محتاجِ دوا ہوتا ہے

سوئے منصور انا الحق کی غلط نسبت تھی
کوئی کہدے کہیں بندہ بھی خدا ہوتا ہے

دل جو تھا خاص گھر اسکا نہ بنایا افسوس
مسجد و دیر بنایا کرو کیا ہوتا ہے

عشقِ کامل ہو تو مرشد نہیں ایسا کوئی
خود وہی قبلہ مری قبلہ نما ہوتا ہے

دشمنِ زیست جدائی ہے تو ملنا کیا ہے
قطرہ دریا سے جو ملتا ہے فنا ہوتا ہے

جسمیں دیدار ہو وہ بھی ہے قیامت کوئی
یہ قیامت ہے کہ وہ مجھ سے جدا ہوتا ہے

ہمتِ شیخ کی صیقل کی بدولت آخر
یہی دل آئینۂ روئے خدا ہوتا ہے

(۹۲)

زخمِ دل ہم دکھا نہیں سکتے
دل کسی کا دکھا نہیں سکتے

وعدہ بھی ہے تو ہے قیامت کا
جس کو ہم آزما نہیں سکتے

لذّت اک گو نہ چاہیے تجھکو
کیا وہ دل بھی دکھا نہیں سکتے

اب سے پھر جاو حضرتِ موسیٰ
تابِ دیدار لا نہیں سکتے

ان سے امید وصل اے توبہ
وہ تو صورت دکھا نہیں سکتے

ان کو گھونگھٹ اٹھانے میں کیا عذر
ہوش میں ہم جو آ نہیں سکتے

کس کے دل تک پہونچتی ہے یہ بات
دلِ دشمن دکھا نہیں سکتے

مانگتے موت کی دعا لیکن
ہاتھ دل سے اٹھا نہیں سکتے

ان کو دعویٰ یوسفی آسی
خواب میں بھی جو آ نہیں سکتے

(۹۳)

جز ہمزباں نہ کوئی ملا قدرداں مجھے
آنکھیں کسی کی کھنچتی ہیں جادو بیاں مجھے

لائی عدم میں کشتئ عمرِ رواں مجھے
پہونچا دیا ہے بیٹھے بٹھائے کہاں مجھے

اے مشتِ خاک چل دیئے ہوش و حواس و صبر
لازم ہے سمجھیں گردِ پسِ کارواں مجھے

اے نقشِ پا ہدایتِ راہِ فنا دگی
تلقینِ نالہ اے جرسِ کارواں مجھے

دل کیا کہ جان میں ہے جگہ تیری اے پری
تو بھی ہوا الفِ لفظِ جاں مجھے

صبر و قرار و ہوش و خرد کس کو رو بیٹے
پامال کر رہا ہے غمِ رفتگاں مجھے

گزرا میں اپنی جان سے کس کا بُرا کیا　　کیوں خاک میں ملاتے ہیں اہلِ جہاں مجھے
ملتا ہوں دم میں راہ روانِ عدم سے میں　　بانگِ جرس ہے ہر نفسِ کارواں مجھے
آسیؔ شہیدِ عشق ہوں مردہ نہ جانیو
مر کر ملی ہے زندگیِ جاوداں مجھے

(۹۴)

پھر مزاج اس رند کا کیونکر ملے　　جس کو اس کے ہاتھ سے ساغر ملے
کچھ نہ پوچھو کیسی نفرت ہم سے ہے　　ہم ہیں جب تک، وہ ہمیں کیونکر ملے
ظاہر و مظہر میں فرق ایسا نہیں　　پیر ہاتھ آیا تو پیغمبر ملے
میری آنکھیں اور اس کی خاکِ پا　　تیرے کوچے کا اگر رہبر ملے
وصل ہے سرجوشِ صہبائے فنا　　پھر اگر کوئی ملے کیوں کر ملے
کعبہ، بت خانہ، کلیسا، صومعہ　　پھرتے ہیں در در کہ تیرا گھر ملے
کس قدر ٹھہرا بلند ان کا مقام　　مل گیا مولا جسے حیدرؓ ملے
ملنے کے پہلے فنا ہونا ضرور　　پھر فنا جو ہو گیا کیونکر ملے
آسیؔ گریاں ملا محبوب سے!
گل سے شبنم جس طرح رو کر ملے

(۹۵)

ہے صیدِ فنا جو ہدفِ تیرِ نظر ہے　　چیر و مرے سینے کو نہ دل ہے نہ جگر ہے
ملنے کی یہی راہ نہ ملنے کی یہی راہ　　دنیا جسے کہتے ہیں عجب راہ گزر ہے
انجام کی منزل ہے کڑی دیکھئے کیا ہو　　دنیا میں جو آئے ہو یہ آغاز سفر ہے
شرم آتی ہے کہتے ہوئے عاشق ہوں کسی کا　　نالوں میں نہ تاثیر نہ آہوں میں اثر ہے

عمر اپنی رواں ہے تو اقامت ہے سرِ دکار
سمجھے اگر انسان تو دن رات سفر ہے
عاشق کے لب خشک ہوں یا دیدۂ پُر نم
باہر ترے دفتر سے کوئی خشک نہ تر ہے
سنتے ہیں کہ ہر سمت نظارہ ہے اسی کا
جو آگے نہ پیچھے نہ ادھر ہے نہ ادھر ہے
شمشاد سے آگے کے عجب رنگ سنے ہیں
اپنی نہ خبر کچھ نہ پرائے کی خبر ہے
لغزش ہوئی جب حضرتِ آدم سے نبی کو
آسی کو بُرا کیوں کہو وہ بھی تو بشر ہے

(۹۶)

قطرہ وہی کہ روکشِ دریا کہیں جسے
یعنی وہ میں ہی کیوں نہ ہوں تجھ سا کہیں جسے
وہ اک نگاہ اے دلِ مشتاق اس طرف
آشوب گاہ حشر تمنا کہیں جسے
بیمار غم کی چارہ گری کچھ ضرور ہے
وہ دردِ دل ہی دے کہ مسیحا کہیں جسے
اے حسن جلوۂ رخِ جاناں کبھی کبھی
تسکینِ چشم شوقِ نظارہ کہیں جسے
اس ضعف میں تحمل صورت وصل کہاں
ہاں بات وہ کہو کہ نہ کہنا کہیں جسے
وہ ایک ذرۂ خاکِ قدم بہر چشم شوق
موسیٰ نگاہِ مہرِ تجلا کہیں جسے
ہم بزم ہو رقیب تو کیونکر نہ چھیڑیئے
آہنگِ سازِ درد کہ نالا کہیں جسے
پیمانۂ نگاہ سے آخر چھلک گیا
سر جوشِ ذوقِ وصلِ تمنا کہیں جسے
آسی جو گل سے گال کسی کے ہوئے تو کیا
معشوق وہ کہ سب سے نرالا کہیں جسے

(۹۷)

غش نہ آجائے کہیں مانندِ موسیٰ دیکھئے
میری آنکھوں سے نہ اپنا آپ جلوہ دیکھئے

نور و ظلمت جو ہو سب میں ایک جلوہ دیکھئے
رنگ و بے رنگی میں سب میں رنگ پیدا دیکھئے

صبحِ پیری میں تو ایسا ہو کہ مثلِ پیرِ صبح
چاکِ دل میں شاہدِ خورشید سیما دیکھئے

کی نظر جس نے مرے باطن میں تو ظاہر ہوا
وہ بھی قطرہ ہے نہ جس قطرے میں دریا دیکھئے

کیا لگایا ہے ہجومِ غم نے میلا ان دنوں
آیئے بھی دل میں عاشق کے تماشا دیکھئے

خاک میں مل کر بھی آنکھیں بند ہوں ممکن نہیں
راہ تیری صورتِ نقشِ کفِ پا دیکھئے

آپ سے دیکھی نہیں جاتی تھی میری زندگی
لیجئے مرتا ہوں اب مرنا تو میرا دیکھئے

خاک ہو کر بھی نہ چھوڑیں دامنِ محبوب ہم
دستِ مجنوں دیکھئے دامانِ صحرا دیکھئے

رات آسی کہتے تھے اپنے سیہ خانے کو گور
جیتے جی مرجاتے ہیں عاشق تماشا دیکھئے

(۹۸)

ہاں یہ مانا کہ جو نکلے بھی تو مر کر نکلے
پر یہ حیرت ہے کہ اس کوچے سے کیونکر نکلے

دیکھ کر حسنِ بتاں منہ سے نکلتا ہے درود
بھول بنکر مری نظروں میں یہ پیغمبر نکلے

وہ چلے چال کہ پامال ہے سارا عالم
جان تم بھی صفتِ چرخ ستمگر نکلے

کیوں نہ مٹ جاؤں میں یہ دل کہ وہ فرماتے ہیں
آؤں گھر میں ترے میں غیر جو باہر نکلے

نیک سمجھا ہے کچھ افشائے سیہ کاریِ عشق — دیکھنا دودِ جگر منہ سے نہ باہر نکلے
دل ہی کھو بیٹھے جو سینے سے لگایا ان کو — دل جنھیں سمجھے تھے ہم افسوس وہ دلبر نکلے
حسرتِ کوچۂ محبوب ہیں کی باغ کی سیر — خار و گل دونوں نگاہوں میں برابر نکلے
سب یہ جانیں کہ غزل آسیِ مغموم کی ہے — شعر جو نکلے وہ دامن کی طرح تر نکلے

طائرِ جان و دلِ آسیِ شیدا دونوں
بلبلِ گلشنِ رخسارِ سیمبر نکلے

(۹۹)

گل سے کس طرح بغیر اس کے دلِ زار رہے
مدتوں جس کے لیے جان سے بیزار رہے

وہ ہے آزاد جو زلفوں میں گرفتار رہے
وہی اچھے ہیں ان آنکھوں کے جو بیمار رہے

رات دن مدِ نظر جلوۂ دلدار رہے
نیند کبھی آئے تو غفلت نہ ہو ہشیار رہے

کیا ملا کھیل چمن دہر میں کھولا جو کوئی !
گل جگر چاک رہے غنچے دل افگار رہے

جم کے بیٹھا رہے گھر سے نہ ہلے مثلِ نگیں
جو یہ چاہے کہ مرا نام نمودار رہے

جسے منظور ہو نور آنکھوں میں پیدا کرنا
مہ و انجم کی طرح راتوں کو بیدار رہے

پاؤں دروازے کے باہر نہ بڑھایا تو نے
سر پٹکتے ترے عاشق پسِ دیوار رہے

اب نکیرین کے غمزے نہ اٹھیں گے ہم سے
زندگی بھر تو گناہوں سے گرانبار رہے
اسکو پرہیز عیادت سے بھی ہے اے آسی
عمر بھر جس کے غمِ عشق میں بیمار رہے

(۱۰۰)

خلش نہ پوچھئے مژگانِ چشمِ دلبر کی — رگِ جگر میں کھٹکتی ہے نوکِ نشتر کی
لبھا رہی ہیں ادائیں خرامِ دلبر کی — دلوں کو سر کی طرح آرزو ہے ٹھوکر کی
سکوتِ اہلِ سخن ہے دلیل جوہر کی — پکارتی ہے خموشی زبانِ خنجر کی
جگر میں آگ بھری ہو مگر دھواں نہ اٹھے — کوئی کہاں سے یہ چھاتی بنائے پتھر کی
ہمیشہ سنگدلی کرکے خاک چھنوائی — محبت آپ نے عاشق سے خاک پتھر کی
بتوں کے پردے میں آخر خدا نظر آیا — نہ پہلی بات ہماری کسی نے باور کی
جو زر بھی ہاتھ میں رکھتا ہو مثلِ شاہدِ گل — حسین کو نہیں کچھ احتیاج زیور کی
کسی کے دھیان میں اتنی تو محویت ہو جائے — کہ دودِ دل میں ہو بو گیسوئے معنبر کی

گناہگار جو ہم سے نہ ہوتے اے آسی
نصیب ہوتی شفاعت کسے پیمبر کی

سلام

(۱)

اے جانِ جاناں میں فدا — اے صبحِ یزداں میں فدا
اے نورِ رحماں میں فدا — اے سیرِ سبحاں میں فدا
سلطان میرے میں فدا — مہمان میرے میں فدا
ایمان میرے میں فدا — اے جان میرے میں فدا

اے میرے سرور میں فدا
میرے پیمبر میں فدا

اے میرے آقا السّلام — اے میرے مولیٰ السّلام
امت کے شیدا السّلام — رحمت کے دریا السّلام
میرے مسیحا السّلام — میرے دل آرا السّلام
نورِ سویدا السّلام — جانِ تمنا السّلام

اے میرے سرور میں فدا
میرے پیمبر میں فدا

پیدا ہوئے پیدا ہوئے — خیر الوریٰ پیدا ہوئے
نورِ خدا پیدا ہوئے — دل کی دوا پیدا ہوئے
بحرِ سخا پیدا ہوئے — ابرِ عطا پیدا ہوئے
دُرِ صفا پیدا ہوئے — موجِ وفا پیدا ہوئے

اے میرے سرور میں فدا

میرے پیمبر میں فدا

شمس الضحیٰ پیدا ہوئے — بدر الدجیٰ پیدا ہوئے
نور الہدیٰ پیدا ہوئے — نجم صبا پیدا ہوئے
کہف الوریٰ پیدا ہوئے — صدر العلےٰ پیدا ہوئے
کیا مہ لقا پیدا ہوئے — کیا مہ لقا پیدا ہوئے

اے میرے سرور میں فدا
میرے پیمبر میں فدا

شاہِ جہاں پیدا ہوئے — جانِ جہاں پیدا ہوئے
گنجِ نہاں پیدا ہوئے — تاجِ جہاں پیدا ہوئے
گردوں مکاں پیدا ہوئے — عالی نشاں پیدا ہوئے
مطلوبِ جاں پیدا ہوئے — کیا دلستاں پیدا ہوئے

اے میرے سرور میں فدا
میرے پیمبر میں فدا

شاہِ زمیں پیدا ہوئے — سبز دارِ دیں پیدا ہوئے
صاحب نگیں پیدا ہوئے — مسند نشیں پیدا ہوئے
مہرِ مبیں پیدا ہوئے — نورِ یقیں پیدا ہوئے
کیا مہ جبیں پیدا ہوئے — کیا نازنیں پیدا ہوئے

اے میرے سرور میں فدا
میرے پیمبر میں فدا

شاہِ عرب پیدا ہوئے — ماہِ طرب پیدا ہوئے
عالی نسب پیدا ہوئے — والا حسب پیدا ہوئے
جانِ طلب پیدا ہوئے — کانِ ادب پیدا ہوئے
اُمّی لقب پیدا ہوئے — محبوبِ رب پیدا ہوئے

اے میرے سرور میں فدا
میرے پیمبر میں فدا

خیر البشر پیدا ہوئے — نیکو سیر پیدا ہوئے
تیغ ظفر پیدا ہوئے — غم کے سپر پیدا ہوئے
رشکِ قمر پیدا ہوئے — روشن گہر پیدا ہوئے
معجز نظر پیدا ہوئے — نازک کمر پیدا ہوئے

اے میرے سرور میں فدا
میرے پیمبر میں فدا

کیا نور کا انساں ہے — اللہ! تیری شان ہے
سب جسم ہے یہ جان ہے — چہرہ نہیں قرآن ہے
یہ دین ہے ایمان ہے — میرا یہی سلطان ہے
جو ہے یہاں حیران ہے — جی جان سب قربان ہے

اے میرے سرور میں فدا
میرے پیمبر میں فدا

ہیں نرگسیں آنکھیں غضب — اعجاز سے توأم ہے لب
گیسو میں تاریکیِ شب — رخسار میں انوارِ رب
پلکوں میں ہیں تیروں کے ڈھب — چتون نہیں جادو ہے سب
ابرو مہِ عیدِ طرب — ایسا کوئی ہوتا ہے کب

اے میرے سرور میں فدا
میرے پیمبر میں فدا

کیا نرگسِ بیمار ہے — کیا ابروئے خمدار ہے
کیا طرۂ طرار ہے — کیا چاند سا رخسار ہے

کیا نور کیا دیدار ہے　　یوسف یہاں بیکار ہے
تسخیرِ جاں زار ہے　　جو ہے سو دل زوگار ہے
اے میرے سرور میں فدا
میرے پیمبر میں فدا

کیونکر انہیں کہیئے بشر　　نورِ خدا ہے جلوہ گر
ہوں گے یہ وہ رشک قمر　　شق چاند کا ہو گا جگر
اشجار دوڑیں حکم پہ　　تسبیح پڑھ دینگے حجر
گذریں گے آستی یہ جدھر　　بس جائے گی وہ رہ گزر
اے میرے سرور میں فدا
میرے پیمبر میں فدا

(۲)

سلامِ خدائے زمین و زماں　　نثارِ سرِ سید مرسلاں
سلامِ سلسل چو زلفِ پری　　نثارِ سرِ چتر پیغمبری
سلامِ صفا خیز آبِ حیات　　فدائے جنابِ شہ کائنات
سلام اے دوائے دلِ دردمند　　سلام اے شب افروز چرخِ بلند
سلام اے شفا بخش دردِ نہاں　　سلام اے مسیحائے دل خستگاں
سلام اے گلِ گلشنِ اصطفا　　سلام اے نسیمِ بہارِ صفا
سلام اے سفر کردہ لامکاں　　سلام اے مکینِ دلِ عاشقاں
سلام اے مرے غم کے تم غمگسار　　سلام اے گنہگار امت کے یار
سلام اے خدا سے مرے عذر خواہ　　سلام اے مرے تم شفیعِ گناہ
سلام اے مرے درد کے چارہ ساز　　مرے روح پرور مرے دلنواز

سلام اے رسولِ فلک بارگاہ
مرے بندہ پرور مرے بادشاہ

سلام اے سحابِ مطیرِ کرم
کریم السجایا جمیل الشیم

سلام اے تجلیِ نورِ قدم
نبی اکبرایا شفیع الامم

سلام اے حبیبِ خدائے علیم
قسیمؐ جسیمؐ نسیم وسیم

سلام اے شہ روزِ امید و بیم
شفیعؐ مطاعؐ رؤف الرحیم

سلام اے رسولِ خدائے کبیر
سراجؐ منیرؐ بشیرؐ نذیر

سلام اے نبی بلیغ و فصیح
حسینؐ جمیلؐ صبیحؐ ملیح

سلام اے دلیلِ رہِ مستقیم
حبیبؐ جلیلؐ خلیلؐ کریم

سلام اے امامِ نبی و ولی
نقیؐ نقیؐ صفیؐ و نبی

سلام اے مرے دستاں السلام
سلام اے مرے جانِ جاں السلام

سلام درِ تاجِ دیں السلام
سلام اے سرِ مرسلیں السلام

سلام اے مرے پیشوا السلام
سلام اے مرے مقتدا السلام

سلام اے حبیبِ خدا السلام
سلام اے شہِ انبیاء السلام

سلام دلِ عاشقِ خستہ دل
نہ رکھ ماسوا میں مجھے پا بہ گل

مئے عشق سے اپنے سرشار کر
نہ پھر کچھ رہے پاؤں سر کی خبر

یمین و یسار و درون و بروں
بس اک آپ کا جلوہ دیکھا کروں

کروں جس طرف چشم نمناک وا
نظر کچھ نہ آئے تمہارے سوا

تڑپ کر نہ حسرت سے ہرگز مروں
تمہیں دیکھتے دیکھتے جان دوں

لحد تک تمہاری محبت کے ساتھ
چلا جاؤں دنیا سے راحت کے ساتھ

یہ جلوے تمہارے جو گھیرے رہیں
نہ گوشے لحد کے اندھیرے رہیں

نہ مر کر بھی ہو نشۂ عشق دور
وہاں بھی رہوں میں محبت میں چور

وہاں بھی یہی نعرہ مارا کروں
محمدؐ محمدؐ پکارا کروں

قیامت کے دن جب اٹھوں خاک سے　　　لپٹ جاؤں میں دامنِ پاک سے
نہ جنت کی خواہش نہ دوزخ سے ڈر　　　رہے آپ کا جلوہ پیشِ نظر

تمنا نہیں دل میں اس کے سوا
علیکَ الصلوٰۃ اے نبی الوریٰ

رُباعیات

اک عمر رہِ طلب میں جگر کھایا   آخر دل میں سراغ اس کا پایا
دل میں دیکھا تو آئینے کی صورت   جُز اپنے کوئی نظر نہ مجھکو آیا

یا مجھ کو ترا حسن نہ بھایا ہوتا   یا ہر رگ و پے میں تو سمایا ہوتا
یا دل ہی میں جلوہ گر اگر ہونا تھا   ہر جزوِ بدن کو دل بنایا ہوتا

پھر بادۂ تندِ غصہ پینا ہوگا   پھر ٹکڑے جگر کے ساتھ سینا ہوگا
جینے نے یہاں کے مار ڈالا آخر   سنتے ہیں کہ پھر حشر میں جینا ہوگا

باطن جسے سمجھے تھے وہ ظاہر نکلا   ظاہر بھی یہاں عینِ مظاہر نکلا
کیسے اغیار، غیر کہتے ہیں کسے   اغیار میں بھی یار ہی آخر نکلا

ہم پہونچیں گے اڑ کے جانِ شیدا کی طرح   رکنے کے نہیں جوشِ تمنا کی طرح
رہ جائیں رہِ طلب میں چلنے سے جو پاؤں   ہم سر سے چلے آبلۂ پا کی طرح

صحرا کی خبر لیں مستِ سودا کی طرح   کیوں گوشہ نشیں ہوں مئے مینا کی طرح
کیوں صورتِ خم گاڑ کے رہ جاویں پاؤں   گردش میں مزا ہے جامِ صہبا کی طرح

عادت، رکھنا فروتنی کی اے دل،   نخوت نہیں بھاتی ہے کسی کی اے دل

کھول آنکھ حباب بحر سے عبرت لے ‌ ‌ ‌ ‌ بے مغز ہے جس نے سرکشی کی اے دل

پیری میں نہ دانتوں کے لیے ہو مغموم ‌ ‌ ‌ ‌ ہو جائیں گے اب سمع و بصر سب معدوم
بالوں میں سپیدی آئی اب دانت کہاں ‌ ‌ ‌ ‌ جب صبح ہوئی تو کہاں ستارے معدوم

غنچے تجھے میری دلفگاری کی قسم ‌ ‌ ‌ ‌ شبنم تجھے میری اشکباری کی قسم
کس گل کی نسیمِ صبح خوشبو لائی ‌ ‌ ‌ ‌ بیتاب ہے دل جناب باری کی قسم

نیکی کرتا ہوں میں بدوں سے پیہم ‌ ‌ ‌ ‌ پہنچے جو ستم کوئی تو سمجھوں میں کرم
آنکھیں قدموں تلے بچھاؤں آسی ‌ ‌ ‌ ‌ پامال اگر ہوں صورتِ نقشِ قدم

عاشق سے خلاف وہ سدا رہتے ہیں ‌ ‌ ‌ ‌ رو کھٹے روکھٹے خفا خفا رہتے ہیں
اک روز کہا میں نے مرا دل تو ہے ‌ ‌ ‌ ‌ اس روز سے پہلو سے جدا رہتے ہیں

فرقت میں بغیر زہر کھائے نہ رہوں ‌ ‌ ‌ ‌ جس طرح ہو جان بے گنوائے نہ رہوں
قدموں سے بچھڑا دو تم تو مہندی کی طرح ‌ ‌ ‌ ‌ بے کوئی نہ کوئی رنگ لائے نہ رہوں

اے راہ روو بتا دو کیا ہو کے رہوں ‌ ‌ ‌ ‌ گرد سر راہ و نقشِ پا ہو کے رہوں
بچھڑوں کے ملانے سے سدا کام رہے ‌ ‌ ‌ ‌ اس قافلہ میں بانگِ درا ہو کے رہوں

کیا جانے کوئی کیا ہے دل قاتل میں ‌ ‌ ‌ ‌ بہتر ہے کہ دل کی بات رکھئے دل میں
سر صورتِ شمع بار گردن کیوں ہے ‌ ‌ ‌ ‌ آئی نہ زبان کھول اس محفل میں

ہر چند کہ موت کا طلبگار ہوں میں
رنج و الم و غم سے گراں بار ہوں میں
پر زندگی اپنی کہہ چکا ہوں تجھ کو
کس منہ سے کہوں زیست سے بیزار ہوں میں

صورت تری بھا گئی کہ سیرت دل کو
بے وجہ نہیں تیری محبت دل کو
نسبت ترے ساتھ کچھ نہ کچھ اس کو ہے
چھاتی سے لگاتی ہے جو خلقت دل کو

کیوں نقطۂ موہوم بنایا ہم کو
کیوں دائرۂ فنا میں لایا ہم کو
وہ سہوِ نویس تھا نہ ہم حرفِ غلط
کیوں صفحۂ ہستی سے اٹھایا ہم کو

اشکوں کی طرح جو ہے روانی ہم کو
بیجا ہے کسی کی میہمانی ہم کو
سب کچھ ہے یہاں گرہ میں اپنے آسی
دانا درکار ہے نہ پانی ہم کو

جھک چلنے کی ان کی وضع کیا بھاتی ہے
وجہ اس کی مرے ذہن میں آتی ہے
بادام آنکھیں ہیں پستہ منہ ٹھوڑی سیب
جو شاخ بہت پھلتی ہے جھک جاتی ہے

ذرے سے جو دیکھنے میں کمتر ہوں گے
تیرے لیے وہ بھی مہر انور ہوں گے
اے دل نہ برابری کسی کی کرنا
ہاں خاک کے اک روز برابر ہوں گے

بحر الفت کی راہ جو جاتا ہے
عزت تو قریب ڈوب جاتا ہے
پانی بھی جو آبرو تو موتی کی طرح
سوراخ جگر میں ایک ہو جاتا ہے